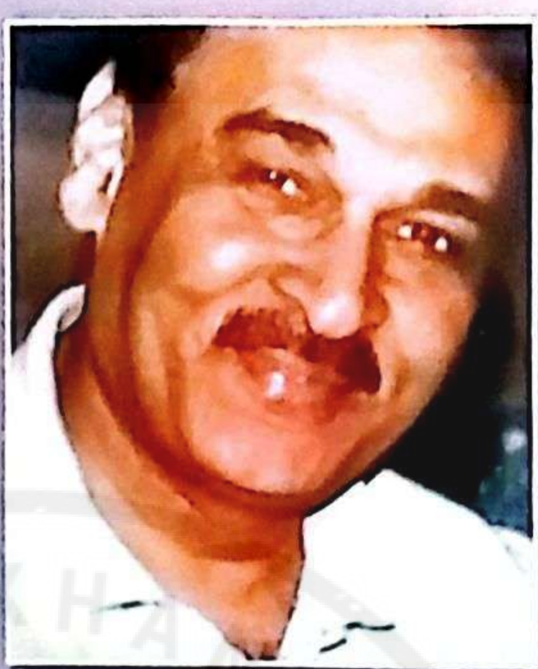
قندِ کلام

شعری مجموعہ



خالد رؤف



خالد رؤف کی تصانیف

خوف کی پرچھائیاں	1967ء	ناول	اردو
قوت کی تکون	1989ء	سیاسی تجزیہ	اردو
اِک آرزو کا پھول	2004ء	شعری مجموعہ	اردو
کانچ کے گلدان	2006ء	شعری مجموعہ	اردو
دُردِتہِ وقت	2008ء	شعری مجموعہ	اردو
تمہارے نام	2009ء	شعری مجموعہ	اردو
چھاؤں چھاؤں چلو	2010ء	شعری مجموعہ	اردو
دل کی دہلیز پر گلاب	2012ء	شعری مجموعہ	اردو
ادھوری بات	2016ء	شعری مجموعہ	اردو/انگریزی
محور	2017ء	شعری مجموعہ	اردو
حفرالعطش	2018ء	شعری مجموعہ	اردو/انگریزی
اِلٰہ	2020ء	شعری مجموعہ	اردو
قندِ کلام	2022ء	شعری مجموعہ	اردو

قندِ کلام

شعری مجموعہ

خالد رؤف قریشی

قندِ کلام کہیے ، کہ سحرِ نگاہِ جذب
ہستی مری حیات کی صف میں کھڑی رہی

گرچہ جمالِ یار میں تھی بے رُخی ، مگر
بیڑی مرے خلوص کی ، کف میں پڑی رہی

قندِ کلام

شعری مجموعہ

خالد رؤف قریشی

قریشی انٹرنیشنل فنڈ۔لٹریری فورم

A-8، یونیورسٹی روڈ، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور
11 ٹریفورڈ کریسنٹ مارکھم، اونٹاریو، کینیڈا L3R 7H6
11 Trafford Crescent Markham, Ontario, Canada, L3R 7H6

اہتمام : حامد رؤف قریشی
عذرا خالد قریشی

اشاعت : نومبر2022ء

کتاب : قندِکلام

شاعر : خالد رؤف قریشی

سرورق : سارہ خالد قریشی

مطبع : سلیم نواز پرنٹنگ پریس، فیصل آباد

قیمت : پاکستانی روپے : Rs. 900
کینیڈین ڈالرز : CAD 39.95
امریکی ڈالرز : USD 39.95
یوروز : € 39.95

Qand e Kalam

Khalid Rauf Qureshi

Edition : November 2022

پبلشر

قریشی انٹرنیشنل فنڈ-لٹریری فورم

A-8، یونیورسٹی روڈ، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور

II Trafford Crescent
Markham, Ontario, Canada L3R 7H6

ISBN 978-1-9904330-6-1

یہ کتاب

پشاور کے نام

جہاں گزارے ہوئے لمحوں کا ہر احساس
رُوح کے عمیق گوشوں میں زندہ ہے

اور

جہاں کے پھولوں کی سہانی خوشبو
دل میں ہر وقت بسی رہتی ہے

فہرس

پشاور: ایک مہکتا گلستانِ ادب

میری ایک نئی کتاب، 'قندِکلام' آپ کے ہاتھوں میں ہے اور آپ کی مشتاق نظریں اِسے پڑھنے کا آغاز کر رہی ہیں۔ آپ کی ان پیار بھری نظرِوں کو میرے پُرخلوص جذبات کا سلام۔ سحر آپ کی نگاہ کا، عقیدت میری۔

'قندِکلام' میں شامل ہر شعر میرے سچے جذبات کا عکاس ہے، ہر شعر میرے دِل کی گہرائیوں میں پوشیدہ پرتوں سے رِس، رِس کر نکلا ہے اور میرے قلم تک پہنچا ہے۔ ہر شعر کو میرے قلم تک پہنچنے کے لیے ایک طویل آزمائش سے گزرنا پڑا ہے، کہ جذبات کی اس کشاکش میں کوئی اور خیال دل کو بھاتا ہی نہیں، کوئی بے مول تصوّر دل کو لبھاتا ہی نہیں، سو ہر جذبہ صادق ہے اور ہر رویہ محتاط اور مخلص۔ اسی زعم کے ساتھ مَیں نے ان اشعار کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے، کہ ان کی قدر و منزلت میں آپ کوئی کمی نہیں آنے دیں گے۔

میرا تعلق پشاور سے ہے۔ وہیں میں پلا بڑھا اور وہیں میں نے جوانی میں قدم رکھا، اسی شہر میں تعلیم حاصل کی اور وہیں زندگی کی رونقوں اور محرومیوں سے روشناس ہوا۔ یہی شہر میری ہر خوشی اور ہر غم کا شاہد ہے۔ اسی شہر نے مجھے

ناکامیوں سے لڑنا سکھایا اور سر اُٹھا کر فخر اور اعتماد سے جینے کا اسلوب، اور زندگی کا مقابلہ کرنے کا بھرپور حوصلہ دیا۔

پشاور، کہ جس میں شاعروں، ادیبوں، اور دانشوروں کا ایک میلا سا لگا رہتا تھا۔روشن نگینوی، فارغ بخاری، رضاہمدانی، شوکت واسطی، شررنعمانی، اشرف بخاری، آقائے ابوالکیف کیفی، لال شاہ جگرکاظمی، قاسم حسرت، یونس قیاسی، محمد طہٰ خان، خاطرغزنوی، محسن احسان، احمدفراز اور ان کے والد سیّد محمد شاہ برقؔ ادب کے عَلم بردار تھے۔ فارسی کے شعرا میں ملک ناصر علی خان کا بڑا نام تھا۔

پشاور کی ادبی تاریخ میں شاعر یا ادیب عموماً تین، تین کی ٹولیوں میں مشہور ہوئے ہیں۔ سن پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں ملک ناصر، ابولکیف کیفی اور جگرکاظمی کا ایک بھرپور دور تھا، بعدازاں فارغ بخاری، رضاہمدانی اور ضیاجعفری نے ان کی جگہ لی اور پھر شوکت واسطی، اشرف بخاری اور شررنعمانی منظرِعام پر آئے۔ قاسم حسرت، یونس قیاسی اور پروفیسر غلام احمد شاد الگ مشہور ہوئے۔ ماضی قریب میں سترّ اور اسّی کی دہائیاں خاطرغزنوی، محسن احسان اور احمدفراز کے نام رہیں۔ نازسیٹھی گل بہارش ہندکو، فارسی اور اُردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے بزمِ بہارِ ادب کی بنیاد تقریباً نصف صدی پہلے رکھی تھی جو کہ ان کے اِنتقال کے بعد آج بھی فعال ہے۔ شمیم بھیروی معروف جرنلسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ پایہ کے ادیب اور شاعر تھے۔ سجادبابر، غلام محمد قاصر اور ماجد سرحدی کی بھی ایک تکون تھی اور ان کی منفرد شاعری بہت مقبول تھی۔ مشتاق احمد عمدہ افسانہ نگار ہیں۔ انشائیہ خوب لکھتے ہیں۔ آج کل Arizona میں مقیم ہیں۔

پشاور کے نسائی ادب میں پشاور شہر کی رہائشی رضیہ بٹ کے رومانی ناول بہت مشہور تھے۔ وہ ایک ایسا دور تھا جس میں خواتین اپنے جذبات کا اظہار سرِعام نہیں کرتی تھیں اور اسی وجہ سے محفلوں میں اور پریس میں ان کی شمولیت کا فقدان تھا۔

بشریٰ جمال نے خواتین کو ادب کی طرف راغب کرنے اور ان کی تخلیقات منظرِعام پر لانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ انھوں نے خواتین کی پہلی باقاعدہ انجمن 'Women Writers Forum' کی داغ بیل ڈالی جس کی وجہ سے نسائی ادب کو بڑا فروغ ملا۔ اس تنظیم کے تحت خواتین کی ادبی محفلیں اور مشاعرے منعقد ہوئے اور خواتین ایک پلیٹ فارم پر یکجا ہوئیں۔ اس فورم کی پہلی صدر بشریٰ جمال اور سیکرٹری نرجس افروز زیدی تھیں۔ نرجس اُردو شاعری میں ایک اُونچا مقام رکھتی ہیں۔ بشریٰ جمال کے افسانے اور ٹی وی ڈرامے بہت مقبول تھے۔ غزالہ نگار للّٰی اورکزئی نے بھی افسانے اور ڈرامے لکھے۔ بعد کے دنوں میں بشری فرخ نے اس بزم کو 'کاروانِ حوا' کے نام سے آگے بڑھایا۔ منوّر رؤف اور شمشاد نازلی کی شاعری بہت مقبول ہوئی۔

سیّدہ حنا کی کہانیاں اور ناولٹ بہت پسند کیے جاتے تھے۔ سرحد کے پار ہندوستان میں بھی شاعری کا حوالہِ سے ان کے بھائی حامد سروش کا بھی بڑا نام تھا۔ اس کے علاوہ ان کے افسانے، ناول اور تنقیدی جائزے اپنا جواب آپ تھے۔ زیتون بانو نے افسانے بہت عمدہ لکھے۔ پشتو میں ان کے کام کے حوالہِ سے ان کو خاتونِ اوّل کا خطاب مِلا۔

پروفیسر فہمیدہ اختر کا نام افسانہ کی دُنیا میں بہت معتبر ہے۔ ان کے

افسانہ 'ایک تھا گاؤں' کی ڈرامائی تشکیل جوہر میر نے کی اور عتیق صدیقی نے اسے پیش کیا۔ وہ فرنٹیر ومن کالج کے میگزین 'طلوع' کی ایڈیٹر بھی تھیں۔ مشرف مبشر نے افسانوں کے کئی مجموعے لکھے اور شایع کیے۔ رفعت علی سیّد بہت اچھی افسانہ نگار تھیں۔ ان کے افسانے اور سفرنامے کثرت سے شایع ہوئے۔ شوکت واسطی نے خواتین کی ادبی کاوشوں میں ان کی بہت حوصلہ افزائی کی۔

قبل ان سب کے میرے پرنانا جناب عبدالمجید خان پشاور میں رہتے تھے۔ وہ اُردو اور فارسی میں بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام ''سروشِ غیب'' میرے پاس محفوظ ہے، لیکن مَیں ابھی تک اسے شایع نہیں کروا سکا۔ خادم محمد اکبر ان کے چچازاد بھائی تھے جو خادم بابا کہلاتے تھے۔ وہ ایک مشہور مجاہد اور تحریکِ آزادی کے چند گنے چنے ہراول دستہ کے لیڈروں میں شامل تھے۔ ان کی پشتو اِنقلابی شاعری بھی عوام میں بہت مقبول تھی اور ادبی حلقوں میں معروف لوگ ان کو اُستاد مانتے تھے۔ ان کا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

مشہور مزاح نگار پطرس بخاری پشاور شہر کے محلّہ شاہ غازی نسیم، سرکی گیٹ میں پیدا ہوئے اور گورنمنٹ کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔ وہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے پہلے مندوب تھے اور کمال کا لکھتے تھے۔ ان کے بھائی ذوالفقار علی بخاری (Z. A. Bukhari) ادیب، شاعر اور موسیقار ہونے کے ساتھ ساتھ ریڈیو براڈکاسٹر بھی تھے۔ ان کو ''بابائے نشریات'' کا خطاب دیا گیا ہے۔

نسیم حجازی ایبٹ آباد سے اور قتیل شفائی ہری پور سے کبھی کبھی تشریف لے آتے تھے۔ان کی محفلوں میں بیٹھنا ہی ہمارے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہوتی۔

قدوس صہبائی مشہور جرنلسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب اور نقاد بھی تھے۔ ان کی پشاور میں رہائش ہمارے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھی۔ ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

ستیہ پال آنند کا تعلق بھی پشاور سے رہا ہے۔ وہ آج کل امریکا میں مقیم ہیں، اُردو اور ہندی کے نامور شعرا میں گنے جاتے ہیں۔ اب تو وہ ایک Living Legend کے مقام پر فائز ہیں۔

طاہر فاروقی پشاور یونیورسٹی میں اُردو ڈیپارٹمنٹ کے ڈین تھے اور ادبی سرگرمیوں کے رُوحِ رواں۔

باسط سلیم کا تعلق مرے آبائی گاؤں، اکوڑہ خٹک سے تھا اور پشاور میں مقیم تھے۔ وہ ریڈیو پاکستان کے لیے اُردو ڈرامے لکھتے تھے جو ہر ہفتہ کی شام باقاعدگی سے نشر ہوتے تھے، اور عوام میں بہت مقبول تھے۔

مظفرؔحسین صدر روڈ پر رہتے تھے۔ وہ ریڈیو پاکستان، پشاور سے نشر ہونے والا بچوں کا پروگرام لکھتے بھی تھے اور اسے 'بھائی جان' کے کردار میں پیش بھی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ نسرین بخاری 'آپا جان' کا کردار نبھاتی تھیں اور ان کی شریک قلم کار بھی تھیں۔ بعدازاں نسرین کی شادی مشہور فلم سٹار آغا طالش سے ہوئی۔ یہ پروگرام ہفتہ وار نشر ہوتا تھا اور بچوں اور بڑوں میں یکساں طور پر مقبول تھا۔

مولانا محمد اسماعیل ذبیح تحریکِ پاکستان کے ایک بڑے لیڈر تھے اور مجلسِ احرارالاسلام کے ایک سینیر ممبر۔ وہ ایک پایہ کے ادیب، خطیب، تاریخ دان اور جرنلسٹ تھے۔ ان سے ہر ملاقات میں ہم کو کوئی نہ کوئی درس ملتا تھا۔ وہ

نہایت ہی پُرخلوص اور اچھے انسان تھے۔

ان ناموں میں اگر کسی جوہری کا نام شامل نہیں ہو سکا، تو میری یادداشت نے ساتھ نہیں دیا۔ میں معافی کا خواستگار ہوں۔ یہ جوہری ایسے ایسے نایاب ہیرے تراشتے تھے، ایسے، ایسے فن پارے پیش کرتے تھے کہ رُوح کی گہرائیوں تک اُن کی چمک پہنچ جاتی تھی۔

وہ ایک نہایت ادب زار ماحول تھا۔ شامیں خاص کر بہت پُررونق ہوتی تھیں۔ مختلف ریستوران ان ادیبوں کے اڈے ہوا کرتے تھے۔ ان ریستورانوں میں سلورسٹار، مون لائٹ، کیفے ڈی جمیل، کارڈینیا اور گولڈن سٹار کے نام قابلِ ذِکر ہیں۔ یہ تمام صدر روڈ اور ارباب روڈ پر واقع تھے۔ ان مقامات پر شعرا عصر کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھتے اور ہم جیسے نوجوان ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ پھر شعروسخن کی محفلیں سج جاتیں۔ ہم ان کا تازہ کلام سنتے۔ ڈرتے، ڈرتے اپنے ناپختہ اشعار پیش کرتے اور اصلاح کے ساتھ ، ساتھ ڈانٹ بھی سنتے۔ ان محافل سے ہم نے بہت کچھ سیکھا۔

پشاور کے مشہور چوک یادگار کے قریب، گھنٹہ گھر کی طرف جاتے ہوئے، راستہ میں ایک جگہ تھی جہاں یہ سب لوگ مِل کر بیٹھتے اور ادبی مباحثے ہوتے۔ اخبارات میں شہباز، انجام، خیبرمیل ور بعدازاں مشرق، پشاور سے شایع ہوتے تھے۔ ان کے دفاتر بھی ادبی سرگرمیوں کے مراکز ہوا کرتے تھے۔ انجام اخبار کے دفتر میں انجمنِ ترقیِ اُردو کے اِجتماعات باقاعدگی سے ہوتے تھے۔ فارغ بخاری اور رضاہمدانی ان اِجتماعات کے آرگنائزر ہوا کرتے تھے۔ فرید عرش سوسائٹی کے سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ پروفیسر نذیر

مرزا ابرلاس اسلامیہ کالج میں پڑھاتے تھے اور ان محفلوں کے رُوحِ رواں تھے۔ ڈاکٹر مظہر علی خان بھی کبھی کبھی تشریف لاتے تو محفل کی رونق میں اضافہ ہو جاتا۔ فارغ بخاری کو جب آزادی سے لکھنے کی پاداش میں جیل بھیجا گیا تو محفلیں سونی پڑ گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کو آزاد کیا گیا لیکن اس شرط پر کہ وہ پشاور شہر تک محدود رہیں گے اور کابلی گیٹ سے باہر نہیں جائیں گے۔ ان اِجتماعات کے بعد انجام کے دفتر سے باہر نکلتے وقت وہ اکثر کہتے ''آؤ کابلی گیٹ کو ہاتھ لگا آئیں۔'' عاصی رضوی حجام کی دُکان کرتے تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان محفلوں میں وہ باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔

علاوہ ازیں شاہ ولی قتال میں ایک کمرہ تھا جس میں شعرا اور ادیب مِل بیٹھتے تھے۔ کوچہ رسال دار میں بھی ادبی محافل کے لیے ایک جگہ مخصوص تھی۔ ان محفلوں میں شرکت کرنا بڑے اعزاز کی بات تھی۔

ان دِنوں پڑھنے والوں اور ادب کے قدردانوں کے علاوہ میری طرح کے کچھ نوجوان لکھنے والے بھی تھے، جن میں محبوب الٰہی صدیقی کا نام سرِفہرست ہے۔ ایسے اشعار کہتے کہ دل کاٹ کر رکھ دیتے، لیکن ان کا کلام کبھی منظرِعام پر نہیں آیا۔ کوشش کروں گا کہ یہ نگینے آپ تک پہنچا سکوں۔

بعد کے دنوں میں پشاور کے ادبی اُفق پر کچھ نئے ستارے نمودار ہوئے اور آسمان پر چھاتے چلے گئے۔ ان میں ماجد سرحدی، نذیر تبسّم، یوسف علی زاہد، یوسف رجاء چشتی، بشریٰ فرخ، ناصر علی سیّد، عزیز اعجاز، داؤد حسین عابد، عابد علی سیّد، یونس قیاسی، قاسم حسرت، اشرف عدیل، فاروق بابر، یوسف عزیز زاہد، مشتاق شباب، طارق ہاشمی، امجد بہزاد، یونس صابر، اکمل نعیم، حسام حُر، قدسیہ قدسی، صباجاوید،

شمشاد نازلی، شاہدہ سردار اور صوفیہ احمد کے نام نمایاں ہیں، اس فہرست کی ترتیب میں کسی علمی قابلیت یا عمر کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

حسبِ روایت ناصر علی سیّد، عزیز اعجاز اور نذیر تبسّم ایک ادبی تکون کی صورت میں ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ڈاکٹر اشرف عدیل، خاور احمد، جلیل ہاشمی، طارق حق نواز، یوسف عزیز زاہد اور امجد بہزاد کا شمار بھی پایہ کے شعرا میں ہوتا ہے۔ تاج سعید ایک منجھے ہوئے شاعر اور ادیب کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کا مردان سے شایع ہونے والا رسالہ ''قند'' اور پشاور سے نکلنے والا ''جریدہ'' بہت مقبول ہوئے اور سرحد کے اس پار بھی لائبریریوں کی زینت بنے۔ انھوں نے ایک منظوم کتاب ''شہرِ ہفت رنگ'' پشاور کے بارہ میں لکھی۔

اُس دور کے نئے لکھنے والوں میں جوہر میرؔ، ارشاد صدیقی، عتیق صدیقی، اعجاز راہی اور ڈاکٹر امجد حسین کے نام بھی شامل ہیں۔ اعجاز راہی نے اپنی پہلی کتاب 'تیسری ہجرت' میں میرے ماموں اور پیپلز پارٹی کے مقبول سیاسی رہنما سینیٹر ظفر احمد قریشی کا خصوصی ذکر کیا۔ یہ کتاب انھوں نے میری امی جان کو پیش کی اور اس پر لکھا 'باجی کے نام'۔

امجد حسین نے ریڈیو پاکستان کے متعدد پروگراموں میں حصہ لیا، تمثیل نگاری کی، اور گیتوں بھری کہانیاں لکھیں۔ اپنی انگریزی اور اُردو تصنیفات میں انھوں نے پشاور کی تاریخ اور حالات پر بہت کچھ لکھا۔ ان کی کتابیں ایک معتبر تاریخی حوالہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اِرشاد صدیقی نے بھی ریڈیو پاکستان پشاور کے لیے ڈرامے لکھے۔ 'قصہ خوانی' اس دور کا بہت مقبول ریڈیو پروگرام تھا۔ ابوسعید قریشی سٹیشن ڈائریکٹر تھے۔ باسط سلیم اور خاطر غزنوی اس پروگرام کے پروڈیوسر تھے۔

جوہرمیر نے امریکا سے سہ ماہی جریدہ 'زاویہ' کا اِجرا کیا اور اپنی آخری سانسوں تک اسے جاری رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد ارشادصدیقی، امجد حسین اور عتیق صدیقی نے اس کی اشاعت جاری رکھی۔ ٹورانٹو کی طرف سے میں نے ان کا ساتھ دیا۔

ڈاکٹر ڈینس آئیزک ایک بہت عمدہ شاعر اور تمثیل نگار تھے۔ انھوں نے ٹی وی کے لیے متعدد ڈرامے لکھے جو بہت مشہور ہوئے۔ نوّے کی دہائی میں وہ ہجرت کر کے کینیڈا چلے گئے اور وہیں ان کا اِنتقال ہوا۔

اخونزادہ مختار علی نیّر ریڈیو پاکستان کے لیے اُردو ڈراما سیریل لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔ سرگودھا اور اسلام آباد میں مقیم وزیرآغا اور سمیع آہوجہ کا پشاور سے گہرا تعلق تھا، جس کی وجہ سے وہ بکثرت آتے جاتے رہتے تھے۔

سیّدلال شاہ جگر کاظمی اُردو اور فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے اور بچپن میں داغ دہلوی سے اِصلاح لیتے رہے تھے۔ افغانستان کے حاکم ظاہرشاہ نے ان کو خاقانِ سرحد کا خطاب دیا تھا۔

مرزا محمود سرحدی چوک یادگار میں بیٹھتے تھے اور مزاحیہ شاعری کرتے تھے اور اکبرالٰہ آبادی کے تعلّق سے انھیں اکبرِسرحد کہا جاتا تھا۔ شوکت واسطی نے انھیں یہ خطاب دیا تھا۔

اِنتظامی لحاظ سے پشاور چند بنیادی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ پشاور صدر اور کنٹونمنٹ کا ایک مخصوص کلچر ہے جو کہ پشاور شہر کے پرانے علاقوں سے بالکل مختلف ہے، پھر پشاور یونیورسٹی اور اس سے ملحق رہائشی ٹاؤن اپنا الگ مزاج

رکھتے ہیں اور اِردگرد کی نوآبادیاں الگ۔ پشاور صدر کے مغرب میں یونیورسٹی، یونیورسٹی ٹاؤن اور حیات آباد واقع ہیں اور مشرق میں پشاور شہر کا پرانا علاقہ۔

صدر اور چھاؤنی سے چار بڑی سڑکیں شہر کی طرف جاتی ہیں۔ شمال میں نارتھ سرکلرروڈ اور جنوب میں ساؤتھ سرکلر روڈ۔ ان کے درمیان میں اور متوازی مال روڈ اور صدر روڈ واقع ہیں۔

نارتھ سرکلر روڈ ایئرپورٹ سے شروع ہو کر ہائی کورٹ اور صوبائی اسمبلی سے گزرتی ہوئی قلعہ بالا حصار تک جاتی ہے، جہاں وہ اسلام آباد جاتی ہوئی جی ٹی روڈ سے مِل جاتی ہے۔

ساؤتھ سرکلر روڈ پشاور سٹیڈیم سے شروع ہو کر صدر ریلوے سٹیشن اور عجایب گھر سے گزرتی ہوئی ڈسٹرکٹ کورٹس اور سنٹرل جیل تک جاتی ہے، جہاں وہ ریلوے لائینز کے اُوپر سے گزرتی ہوئی، شہر میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں خاردار تاروں میں لپٹا ایک گیٹ چھاؤنی اور شہر کے علاقوں کو الگ کیا کرتا تھا۔ یہ گیٹ شام سات بجے بند کر دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے پشاور دو حصوں میں بٹ جاتا، اور آمدورفت قطعی طور پر منقطع ہو جاتی۔ ہم جیسے رات کا آخری شو دیکھنے والے لوگ پیدل چل کر ہی سینما سے گھر جاتے تھے۔ اب وہ گیٹ موجود نہیں۔

صدر روڈ اور ساؤتھ سرکلر روڈ کے درمیان میں اور متوازی شفیع بلڈنگ روڈ ہے، جہاں میں نے اپنا لڑکپن اور نوجوانی کے دن گزارے ہیں۔ یہ روڈ پشاور سٹیڈیم سے شروع ہو کر گورا بازار (جناح سٹریٹ) اور چوک فوارہ (ڈاکٹر فیض اللہ خان چوک) سے ہوتی ہوئی بجلی گھر پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی روڈ کے

ایک سِرے پر سٹیڈیم کے قریب ہمارا گھر تھا اور یہی ہماری دُنیا تھی۔

روشن نگینوی صاحب ہمارے گھر کے پاس ہی رہتے تھے۔ ان سے اکثر ملاقات ہو جاتی اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر ان کا کلام ان کی زبانی سننے کا موقع مِل جاتا۔ اس وقت ہم سب دوستوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ مواقع کتنے قیمتی ہیں اور ان کی ہم کو کتنی قدر ہونا چاہیے۔

شفیع بلڈنگ کی ایک گلی میں میری امی کی خالہ زاد بہن اور دوست، بلقیس خاتون رہتی تھیں۔ وہ اور ان کے بھائی دوست محمد فخری ایک ماہنامہ 'عالمِ نسواں' کے نام سے نکالتے تھے۔ افلاس اور غربت کے باوجود وہ اپنے پیسوں سے اسے چھپواتے اور مختلف دُکانوں پر رکھواتے تھے۔ وہ دونوں اچھے ادیب تھے۔ دوست محمد فخری کی کتاب 'وسائلِ دولت' اسی دوران میں شایع ہوئی تھی۔ ان کے بڑے بھائی سلیمان قریشی ایک اچھے شاعر تھے۔ ان کا دیوان 'کیفِ سلیمانی' موجود ہے لیکن غیرمطبوعہ۔

سجّاد رضا حیدر اچھا ذوق رکھنے کے ساتھ ، ساتھ اچھا لکھتے بھی تھے۔ ہم دونوں نے مِل کر ایک تنظیم 'ینگ رائٹرز لیگ' کی بنیاد رکھی تھی، جس کے وہ سربراہ تھے۔ ہمارا اِرادہ تھا کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کی کتابیں چھاپی جائیں۔ سجاد کی کتاب 'جلتے انسان' اور میری کتاب 'خوف کی پرچھائیاں زیرِ بحث آئیں تو انھوں نے میری کتاب کو ترجیح دی اور اُسے چھاپا۔ ہماری خواہش تھی کہ ایک ماہانہ جریدہ ''سب کا ماہنامہ'' پشاور سے شایع کیا جائے۔ ادبی حلقوں میں اس کی باقایدہ تشہیر بھی کی گئی تھی لیکن حالات نے اسے شایع کرنے کی اجازت نہ دی۔

محمد طٰہٰ خان سکول میں اور پھر کالج میں ہمیں اُردو پڑھاتے تھے اور یہ ان ہی کی تعلیم کا فیض ہے کہ آج میں شعر لکھ سکتا ہوں۔ کالج کے بعد ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا، کہ وہ PAF College میں شامل ہو گئے اور میں ملک سے باہر چلا گیا۔ طٰہٰ خان کی بینائی نے ان کا ساتھ نہ دیا جس کی وجہ سے چند برسوں بعد ان کو ایئرفورس سے ریٹائر کر دیا گیا۔ ان کی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ہم نے کبھی بھی، کلاس میں، ان کو کتاب اُٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی انھوں نے یادداشت کے زور پر اپنی تمام کتابیں لکھیں اور متعدد اَوارڈز حاصل کیے۔ پاکستان پریزیڈنٹ اَوارڈ ان میں شامل ہے۔

رضیہ بٹ سے میری آپی، جمیلہ اختر کی دوستی تھی اس لیے ان سے ہمارا ایک تعلّق سا قایم تھا۔ جب میں نے سکول کے زمانہِ میں اپنی پہلی کتاب، 'خوف کی پرچھائیاں' لکھی تو اس کا پیش لفظ ان ہی سے لکھوایا۔ وہ اس زمانہِ کی مشہور ناول نگار تھیں اور ان کے ناولوں پر فلمیں بن چکی تھیں۔ میرے دوست ارباب انورحیات نے اس کتاب کا سرورق ڈیزائن کیا تھا۔

احمد فراز کے والد سیّد محمد شاہ برقؔ سے ہمارے بزرگوں کے تعلّقات تھے اور اِس طرح احمد فراز اور ان کے بھائیوں سے بھی ہمارا ملنا جلنا تھا۔ فراز ان دِنوں اپنی شاعری کے اِبتدائی مراحل میں تھے، اور تیزی سے شہرت کی بلندیوں کو چُھو رہے تھے۔ ان سے ہم کہیں نہ کہیں مِل کر ان کا کلام، خاص کر نظمیں، سن لیا کرتے تھے۔

محسن احسان اور خاطرغزنوی، احمد فراز کے ہم عصر تھے لیکن ان سے

میری ملاقات شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ بعد کے دِنوں میں، جب میں نے خود باقاعدہ شاعری کی اِبتدا کی تو ان لوگوں کی ریٹائرمنٹ کے دن تھے۔ اس دوران میں ان سے ملاقاتیں بکثرت ہوئیں اور ان کے علم و فضل سے مجھے فیض یاب ہونے کا موقع مِلا۔ میرے پہلے شعری مجموعہِ 'اِک آرزو کا پھول' کی رونمائی خاطر غزنوی، محسن احسان اور احمد فراز نے کی۔ احمد فراز ایک دن قبل ہی جاپان کے دورہِ سے لوٹے تھے، لیکن بشریٰ فرخ کی دعوت پر اسلام آباد سے پشاور آئے اور ہمارے پروگرام میں شرکت کی۔ پیار کرنے والے لوگ تھے۔

بشریٰ فرخ، اپنی کم عمری سے ہی ریڈیو اور پھر ٹیلی ویژن سے وابستہ رہی ہیں اور مختلف پروگراموں اور ڈراموں میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ اس وقت کے مشہور ہندکو ریڈیو پروگرام 'قہوہ خانہ' میں بشریٰ کا ایک مستقل رول تھا۔ اس پروگرام کے لکھنے والے سیّد مظہر گیلانی تھے، جو ایک مقبول ادیب تھے اور ہندکو اور اُردو کے ادبی حلقوں میں ایک معتبر مقام رکھتے تھے۔ بعدازاں مختار علی نیّر، نصرت نور شفق، احسان طالب، مشتاق شباب اور ش۔شوکت نے بھی لکھا اور اس پروگرام کو آگے بڑھایا۔

بشریٰ فرخ کی شادی میرے ایک کزن فرخ سیر سے ہوئی، جو پشاور ٹی وی میں پروگرام پروڈیوسر کے فرایض سرانجام دیتے تھے اور شعر بہت اچھے لکھتے تھے۔ فرخ کی اچانک بیماری اور پھر انتقال نے بشریٰ کو توڑ کر رکھ دیا۔ اسی صدمہ نے ان کو شاعری سے روشناس کیا اور ان کے اشعار لوگوں کے دِلوں میں گھر کرنے لگے۔ بشریٰ کی متعدد کتابیں منظرِعام پر آ چکی ہیں۔

فرخ سیر کے بڑے بھائی جہانزیب سہیل ایڈورڈز کالج میں تعلیم کے

دوران میں مشہور ایکٹر محمد قوی خان کے ساتھ ڈراما کلب کے ڈائرکٹر اور لیڈ ایکٹر تھے۔ بعدازاں یہ دونوں فلم اِنڈسٹری میں شامل ہو گئے۔ جہاں زیب پشاور کی رہایش ترک کرنے پر راضی نہ تھے۔ اس لیے وہ فلموں کو چھوڑ کر پشاور ٹی وی میں پروگرام پروڈیوسر کے عہدہ پر کام کرنے لگے۔ وہ اُردو، ہندکو اور پشتو میں بہت اچھے شعر لکھتے تھے۔ نظم کہنے میں ان کو کمال حاصل تھا۔ مزاح میں ان کا ثانی نہ تھا۔ نہایت شستہ اور برجستہ مذاق ان کا خاصہ تھا۔ ابھی حال ہی میں ان کا اِنتقال ہوا ہے۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے، آمین۔ ان کا تمام کلام غیر مطبوعہ ہے۔

ناصر علی سیّد کا تعلق نہ صرف میرے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک سے ہے، بل کہ وہ میرے بچپن کے دوست بھی ہیں۔ اُردو ادب کی رعنائیوں کو ہم نے ساتھ، ساتھ دیکھا اور کسی حد تک شاعری کے حسن اور اس کی گہرائیوں سے یکساں متعارف بھی ہوئے۔ آج ناصر ایک معروف شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پایہ کے ادیب، ڈراما نگار اور نقاد ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے کالم عوام میں بہت مقبول ہیں۔

ناصر علی سیّد نے ایک تنظیم 'حلقۂ احبابِ ذوق' کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس تنظیم کے سیکرٹری حسام حرؔ ہیں۔ اُردو اور ہندکو میں لکھتے ہیں، ہندکو زبان میں پہلا افسانوی مجموعہ، پہلا ناول، پہلا اخبار اور پہلا رسالہ، ان کے نام ہیں۔

میرے ایک کزن جہانگیر قریشی، پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے، لیکن وہ افسانے بھی بہت اچھے لکھتے تھے۔ ان کا ایک انعام یافتہ افسانہ 'ماں'، جو انھوں

نے اپنی والدہ کے اِنتقال پر لکھا تھا، بہت مشہور ہوا اور کثرت سے چھپا۔

وحیدہ غفور اُردو اور ہندکو کی ایک اچھی شاعرہ تھیں۔ عابد علی سیّد ایک معروف اور مقبول شاعر تھے۔ ان کی بہن عذرا بتول بھی ہندکو اور اُردو کی منجھی ہوئی شاعرہ تھیں اور ہر دل عزیز تھیں۔

پشاور کے چار موسم ہیں۔ اُن دِنوں مئی سے اگست تک شدید گرمی پڑتی تھی، جب لوکاٹ، شہتوت، آڑو، آلوچہ، خوبانی اور جامن کے درختوں پر پھل پک جاتے تھے۔ شام کو تمام چھوٹی بڑی سڑکوں پر چھڑکاؤ ہو جاتا تھا اور لوگ ہلکے پھلکے کپڑوں میں بازاروں اور گلیوں میں نکل آتے تھے۔ شربت اور آئس کریم کی ریڑھیاں جگہ جگہ نظر آنے لگتیں۔ ریستورانوں کی رونق اپنے عروج پر ہوتی اور ادیبوں اور شاعروں کی محفلیں سج جاتیں۔

خزاں میں یخ بستہ ہواؤں کے ساتھ سوکھے پتے درختوں سے بارش کی صورت میں گر کر سڑکوں اور گھاس کی روشوں پر جمع ہو جاتے اور پھر ہوا کے ساتھ اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے۔

جب سردی شدید ہوتی تو دسمبر سے فروری تک بازار جلد ہی بند ہو جاتے تھے۔ ویران گلیوں میں اِکا، دُکا من چلے نوجوان گھومتے پھرتے نظر آتے۔ ادبی محفلیں زیادہ تر گھروں کے اندر، آتش دانوں کے گرد سجتیں کہ باہر کی سردی قابلِ برداشت نہ ہوتی۔ دن کے وقت دھوپ میں بیٹھ کر مالٹے کھانا اور تازہ میٹھے اور گنڈیریاں چوسنا ایک عام رواج تھا۔ رات گئے گرم دودھ میں جلیبیاں اور ساتھ ہی گاجر کا حلوہ کھانے کا ایک الگ مزہ ہوتا۔ مرغ کی یخنی جگہ جگہ دستیاب ہوتی۔ بھنے ہوئے جوار کے دانے، گرما گرم چنے،

مونگ پھلی یا چلغوزے جیبوں میں بھرے، ہم گلیوں، کوچوں میں دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے۔ اپنے تازہ لکھے ہوئے اشعار سنانے کا یہ خاص وقت ہوتا۔ رات گئے ہماری گھر واپسی ہوتی۔

پشاور میں بہار کا موسم جادوئی ہوتا تھا۔ ہر سڑک کے ساتھ فٹ پاتھ کے کنارے لگے نارنج کے درخت کِھل اُٹھتے اور شگوفوں سے لد جاتے۔ درختوں کے نیچے فٹ پاتھ پھولوں سے بھر جاتے اور ان کی بھینی بھینی خوشبو چہار سُو پھیل جاتی۔ پورا ماحول خوشبوؤں سے معطّر ہوجاتا جو دِل و دماغ پر ایک نشہ سا طاری کر دیتا۔ باغوں میں اور روشوں پر رنگ بہ رنگی پھولوں کی بھرمار ہوتی۔ خاص کر رات کی رانی کی خوشبو سر چڑھ کر بولتی تھی۔ ہر شخص خوش و خرم لگتا اور ایک آشتی سی ہر طرف نظر آتی۔ اس ماحول میں جہاں دل و دماغ ہر وقت معطّر رہیں، اشعار کی بھرمار کیوں نہ ہوتی۔ میں اپنے مختلف، پسندیدہ مقامات پر بیٹھ کر تنہائی میں اشعار اور کبھی کہانیاں لکھتا۔ پشاور صدر سے یونیورسٹی جاتے ہوئے راستہ میں گورا قبرستان پڑتا تھا۔ میری زیادہ تر انگریزی شاعری وہیں تخلیق ہوتی تھی۔

میری امی محترمہ ارشاد بیگم، آشا تخلّص کرتی تھیں۔ وہ بہت اچھی شاعرہ تھیں۔ ان کا اپنی شادی سے قبل لکھا ہوا کلام جب میرے ہاتھ لگا تو میں اسے ان سے چھپ کر پڑھتا کہ ان کو اپنے جذبات کی رونمائی پسند نہ تھی۔ ایک دن میری یہ چوری پکڑی گئی اور نتیجتاً انھوں نے وہ تمام اوراق جلا کر راکھ کر دیے۔ اس طرح ان کا تمام کلام تلف ہو گیا۔

میری چچازاد بہن نجمہ پروین، جو مجھ سے دو سال بڑی تھیں وہ اچھے اشعار لکھتی تھیں اور ناہید تخلّص کرتی تھیں۔ وہ بھی اپنے اشعار چُھپا کر رکھتی

تھیں۔ صرف مجھے کبھی کبھی سناتی تھیں کیونکہ ہم بچپن کے ساتھی تھے۔

میرے ماموں، انوارالاسلام قریشی، اپنی طالبِ علمی کے زمانہِ ہی میں اچھے اشعار لکھتے تھے اور اپنے قریبی حلقوں میں معروف تھے۔ ان کے دوست ان کے اشعار سنتے اور کچھ سنبھال کر بھی رکھتے۔ ان کے ایک قریبی دوست وقار احمد شیروانی نے ان کے کچھ اشعار کا ایک مجموعہ ترتیب دیا جس کا نام ''پتّا، پتّا'' رکھا۔ یہ قلمی نسخہ انھوں نے ماموں کی شادی پر انھیں تحفہ کے طور پر پیش کیا۔ اس مجموعہ کو میں نے ''پتّا، پتّا'' کے نام سے ہی باقاعدہ شایع کروایا۔ یہ انوار ماموں کی زندگی کے اواخر کی بات ہے۔

جیسے انگریزی میں ایک کہاوت ہے کہ اب تک پل کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے، میری بہت ساری کتابیں اُردو اور انگریزی زبانوں میں شایع ہو چکی ہیں۔ چند نئے لکھنے والوں کے علاوہ پشاور کی تمام ادبی روشنیاں، جنھوں نے اس شہر کو جگمگا رکھا تھا، گل ہو چکی ہیں۔ وہ شہر اب ویسا نہیں رہا کہ جہاں ہر طرف سکون اور آشتی کا ڈیرہ رہتا تھا۔ اب تو وہاں ایک نفسانفسی کا عالم ہے، انسانوں اور گاڑیوں کی ایک بھرمار ہے۔ سڑکیں اگرچہ کشادہ کر دی گئی ہیں، ان پر تِل دھرنے کی جگہ نہیں۔ پشاور کا قدرتی حسن ماند پڑ چکا ہے اور پھولوں کی روشیں اور ان کی خوشبو اب خیالِ خام بن کر رہ گئے ہیں۔ اس ماحول میں ادبی محفلیں اب سجتی تو ہیں لیکن لائبریریوں میں یا پریس کلب میں۔ سلام ہے ان نئے لکھنے والوں پر جو کہ اب بھی تخلیق کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور اپنے جذبات و احساسات کو منظرِعام پر لانے کی جسارت کرتے ہیں۔

آج کل ، جب کہ اُردو زبان پاکستان اور ہندوستان سے باہر نکل کر دُنیا کے مختلف ممالک میں اپنے قدم جما چکی ہے، اور اپنی بے شمار بستیاں قایم کر چکی ہے۔ ہم کو اچھے مصنّف اور شاعر ڈھونڈنے کے لیے وطن واپس جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ دُنیا کے بیش تر ممالک اور اکثر شہروں میں ادبی محفلیں سج رہی ہیں اور فن پارے پیش کیے جاتے ہیں۔ کووڈ(Covid) کی وجہ سے آپس میں میل جول پر جو پابندیاں عاید کی گئیں انھوں نے الیکٹرونک تعلّقات کے راستے کھول دیے۔ادبی محفلیں اور مشاعرے اب کمپیوٹر اور اِنٹرنیٹ کے ذریعہ منعقد کیے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ تو سفر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ ہی کوئی خرچہ ہوتا ہے۔ تمام دُنیا ایک سکرین پر جمع ہو کر اپنے خیالات کا اظہار آسانی سے کر سکتی ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ اُردو زبان اور شاید دیگر زبانوں کا کوئی بھی لکھنے والا ایسا نہیں ملے گا جو اِنٹرنیٹ کی اس سہولت سے واقف نہ ہو اور اس سے اِستفادہ نہ کرتا ہو۔

شمالی امریکا میں اُردو ادبی سرگرمیوں کی داغ بیل اُنیس سو ساٹھ کی دہائی میں ڈالی گئی۔ اس معاملہ میں پہل کرنے والے انگریزی زبان کے اُستاد اور اُردو کے معروف ادیب اور شاعر، مامون ایمنؔ کا نام سرِفہرست ہے۔ مامون ایمنؔ جن کو میں اپنا بھائی کہتا بھی ہوں اور دل سے مانتا بھی ہوں، عروض دان ہیں اور مستزاد رُباعی کہنے کے ماہرہیں، ان کی وجہ سے عالمی سطح پر صنفِ رُباعی کا اُردو زبان میں ایک نیا و موضوعاتی سلسلہ شروع ہوا ہے۔ مامون ایمنؔ نے میری اس کتاب کا مسودہ بغور پڑھا ہے اور مجھے اپنی قیمتی آراء سے نوازا بھی ہے۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

اس مضمون کے لکھنے کے دوران اوہائیو سے ڈاکٹر امجد حسین، ٹیکساس سے

اِرشادصدیقی اور پشاور سے بشریٰ فرخ اور ناصرعلی سیّد نے اپنی قیمتی یادداشتوں سے نوازا۔ ان عنایات کے لیے میں ان کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔

میری پیاری امی، ارشاد آشا، اب اس عالمِ فانی میں نہیں رہیں۔ ان کا احسان یہ ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور حُسنِ نظر نے مجھے باقی کاموں کے علاوہ شعر کہنے کا فن بھی سکھایا۔ ان کا شکریہ میری ہر سانس ادا کرتی ہے اور ہمیشہ کرتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور میرے پیارے اباجان، جناب عبدالرؤف قریشی کو جنّت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

میری پیاری ہم سفر عذراشاہین نے مجھے زندگی کی روشنیوں سے روشناس کروایا۔ ان کا بہت شکریہ کہ انھوں نے میری شاعری کو پیار کے ساتھ اپنے گھر میں اور دل میں جگہ دی اور میرے وقت، بے وقت شعر لکھنے میں مگن ہونے پر اعتراض کم ہی کیا۔

مجھے اُمید ہے کہ اس کتاب کا ہر شعر آپ کو اپنی زندگی کے کسی واقعہِ کی یاد دلائے گا اور آپ اس کو اپنا سمجھ کر ایک بارِ ضرور دُہرائیں گے۔ اور دل سے لگائیں گے۔ ایک شاعر کو اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔

خالد رؤف قریشی

11 Trafford Crescent,
Markham, Ontario,
Canada, L3R 7H6
qureshi@khalidrauf.com
khalidrauf.com
Phone: 647 407 6648
November 1, 2022

تصوّرِ خدا

خدا کی حد نہیں ہے
خدا کے شکل و جسم و جان نہیں ہیں

خدا اِتنا مکمّل ہے
کہ اس کا جُز نہیں کوئی
کہ اس کا جُز ہی اس کا کُل ہے
اور اس کا کُل ہی اس کا جُز

کہ اس کی سوچ ہی اس کی زباں ہے
اور زباں ہی ہے عمل اس کا

وہ جو سوچے

وہ پل بھر میں

حقیقت بن کے رہتا ہے

کہ وہ

کون و مکاں

بند و زماں

سود و زیاں

ذِکر و بیاں

وہم و گماں

ہر سوچ سے آزاد ہے یک سر

کہ وہ بس اِک اکائی ہے

کہ جس کے سامنے، پیچھے کوئی ہندسہ نہیں لگتا

جسے ہم عقل و منطق کے اصولوں سے

پرکھنے کی اگر کوشش کریں

تو رائیگاں ہو گی

دلیلوں کی مدد سے اس کو سمجھا جا نہیں سکتا
کہ وہ موجود ہے
بس یہ ہی اِک واحد حقیقت ہے
علاوہ اس کے
جو بھی ہے کہا
سوچا
لکھا
ہم نے
فقط تعریف ہے اس کی

خودی

مرا ہونا
نہ ہونا
یا مرا ہونا
مگر ظاہر نہ ہونا
یا میرا عکس دِکھنا
یا مری قدرت نظر آنا
یا پھر انسان کے عقل و گماں میں
تصوّر کی اُڑانوں میں
فراست میں
کسی ترکیب سے شامِل نہ ہونا
مرے ہونے سے پہلے کچھ نہ ہونا

جہاں کے ختم ہونے پر
فقط میرا ہی ہونا
علاوہ میرے کچھ باقی نہ رہنا

یہ سب انسان کی موجودہ حالت میں
نظر کی
عقل کی
تحقیق کی
علم وفراست کی
حدوں میں رہ نہیں سکتا
سمجھ میں آ نہیں سکتا
زمیں سے آسمانوں تک
حدوں میں
قدغنوں میں
فاصلوں میں
سات پردوں میں

سمٹ کر آ نہیں سکتا

اور اِک انسان

اپنی بندشوں

مجبوریوں

سوچوں

سے باہر جا نہیں سکتا

اگر مجھ کو سمجھنا ہے

اگر میری حقیقت کا

زرا اِدراک کرنا ہے

تو اپنے دل کے اندر ڈوب کر

نیچے اُتر کر

رُوح کی گہرائیوں میں سے

یہ گوہر

ڈھونڈنا ہو گا

مجھے محسوس کرنے کے لیے

اپنی خودی کو
چھوڑنا ہو گا
صنم یہ
توڑنا ہو گا
رگِ فطرت سے رِشتہ
جوڑنا ہو گا

زباں

عقل کا اظہار ہے

لفظوں کے تابع

لفظ کی قدرت نہیں

کہ کر سکے اس کا بیاں

لفظ کی ہمت نہیں

کہ کر سکے اس کی نفی

لفظ کی وسعت نہیں

کہ کر سکے

حمد و ثنا

کس طرح پھر
اس کو سجدہ
کر رہے ہیں
بے زباں

عقل بھی محدود ہے
اور علم بھی لایق نہیں
ادھ کہی
اور اَن سنی
باتوں پہ کرتے ہیں یقیں

دل مگر کہتا ہے
وہ اِک رب ہے
جو ہے ہر جگہ
دیکھتا ہے
سن رہا ہے
دل کی فریادیں، فغاں
جانتا ہے ہر زباں

خدائے برتر ، ترے جہاں میں ، محبّتوں کے سراب تو ہیں
نہیں اگر زندگی کا مقصد ، پسِ قیامت عذاب تو ہیں

ہماری قسمت میں عاشقی کا ثمر کہاں ہے
چلو ، اگرچہ ثمر نہیں ہے ، چھلکتے جامِ شراب تو ہیں

نہیں جہاں کا وجود کوئی ، تو ہم گماں کو ہی سچ کہیں گے
نظر نہ آئے خدا ، نہ آئے ، ہزاروں اہلِ کتاب تو ہیں

جہاں کی گردش کا کیا بھروسا ، زمیں ہے مرکز ، کہ آسماں ہے
نہیں زمیں کے جلو میں گردوں ، بنامِ گردوں سحاب تو ہیں

تمہاری اُلفت میں رہ کے ہم نے زمانہ سارا گنوا دیا ہے
بھٹک رہے ہیں ، مگر ہمارے جنوں میں کچھ ہم رکاب تو ہیں

○

بکھرے پڑے ہیں دید کے ساماں جگہ، جگہ
بھٹکا ہوا ہے دہر میں انساں جگہ ، جگہ

مانا کہ ہم نے زیست کا سمجھا نہیں نصاب
لیکن دیے کیے ہیں فروزاں جگہ ، جگہ

کہتے ہیں کچھ ، نظر میں چُھپا کر رکھا ہے کچھ
کرتے ہیں رقصِ آتش و باراں جگہ ، جگہ

گو مختصر حیات ہے اور راستہ ہے تنگ
ہم ہو رہے ہیں دست و گریباں جگہ ، جگہ

ہر احتیاط کی ہے مگر وائے زندگی
ظاہر ہوئے ہیں داغ بداماں جگہ ، جگہ

ہم جنھیں عشق میں سینۂ سے لگانے نکلے
وہ زمانے تو قیامت کے زمانے نکلے

بے خبر تھے تو ہر اِک بات پہ آتی تھی ہنسی
اب جو سمجھے ہیں تو سب درد پرانے نکلے

بعد مُدّت کے جو لوٹے تو نگر غیر کا تھا
جو ٹھکانے تھے وہ غیروں کے ٹھکانے نکلے

اُن سے پوچھا کہ یہ آنکھوں میں ستارے کیا ہیں
جھٹ سے بولے ترے وعدے ، جو بہانے نکلے

دُور بستے ہیں جو صحرا کے کسی گوشۂ میں
ترک دُنیا کیے سب ان کے دوانے نکلے

پیٹ بھرتا ہی نہیں جان نکل جانے تک
کیسی روزی ہے کہ ہر روز کمانے نکلے

لُٹ گئے راہ میں اپنی ہی طلب کے ہاتھوں
وہ جو فطرت سے رقابت کو مٹانے نکلے

○

مجھ کو تُو خدا مان ، کہ پابندِ خدا مان
بس شرط ہے کہ خود کو مری ذات سے پہچان

اے گردشِ دوراں! تو زرا دیر کو تھم جا
گھر آئے ہوئے ہیں وہ بڑی دُور سے مہمان

دیکھیں وہ کبھی مجھ کو زرا آنکھ اُٹھا کر
کچھ جان اگر لیں تو نکل آئے گی پہچان

اے عشق! تجھے تیری ریاضت کی قسم ہے
اب اور نہ تڑپا کہ نکلتی ہے مری جان

جب چھوڑ دیا گھر ، ترا کوچہ ، تری چاہت
کیا ذِکر روایات کا ، کیا وقت کا اِحسان

فاصلے

ہم اس کو
فاصلوں میں ڈھونڈتے ہیں
کہ کتنا دُور ہے وہ
آسماں میں
کہیں جنت سے ملحق
نور سے اُجلی
زمیں میں

مگر وہ
فاصلوں کی قید میں
کیسے سمائے

اگر خود ہو مکیں

تو گردشوں کو

کیا سکھائے

وہ خود

تعمیر کا حصہ اگر ہو

ہم کو وہ

کیسے بنائے

کیا بنائے

کہ یہ جو فاصلے

ہم کو ملے ہیں

یہ اس کی سوچ کی

جادوگری ہے

کہ وہ آزاد ہے

اپنی کسی تخلیق کی ان بندشوں سے

فکرِ انساں

کچھ ہے گلہ مکان سے
کچھ ہے گلہ مکین سے
کچھ رُوح کا قصور ہے
کچھ ہے خمیر کا

یہ زندگی جو ہم نے گزاری زمین پر
یہ لوگ ، باگ جو کہ ہمارے قریب تھے
یہ عاشقی کا دَور
یہ غربت کے دھوپ، چھاؤں
یہ عمر کٹ گئی جو کسی کے خیال میں
یہ صبح، شام ہم نے بتائے جو شوق میں
یہ خامشی کی رات جو گزری خمار میں

یہ سب بدل بھی سکتا تھا
ہم چاہتے اگر

یہ رُوح
جو کہ بوجھ بنی ہے ضمیر کا
جاں جو بھٹک رہی ہے جہاں کے سراب میں
آزاد ہو بھی سکتی تھی

اپنے حصار سے
باہر نکل بھی سکتی تھی
منطق کے طوق سے
ہم آسماں کی وسعتوں کو دیکھتے رہے
خالق کے اس جہاں کو فقط سوچتے رہے

اس ساری کائنات سے ہٹ کر اگر کبھی
ہم اپنے ہی خمیر میں کچھ جھانکتے کبھی
کچھ فکر اپنی رُوح کی کرتے، تو بات تھی
کچھ اس کی اِنتہا میں اُترتے، تو بات تھی

کچھ راز جان لیتے اگر اپنی ذات کے
شاید سمجھ ہی جاتے ہنر کائنات کے

ہوتی نہ بھوک پیٹ کی
ہوتی نہ مفلسی
بیماریوں کا خوف
نہ حاجاتِ روزگار
جھگڑا نہ زر، زمین کا
خطرہ، نہ کوئی خوف

یہ سب تو ہم نے خود ہی لگائیں ہیں بندشیں
خود ہی اُٹھا کے خوف، بنائے ہیں فاصلے
ہم اپنے ہی دماغ کے گر کھولتے پرت
شاید الگ ہی ہوتا ہر انسان کا نصیب

یہ سب بس اِک خیال کی پرچھائیاں تو ہیں
انساں کے بودو باش کی کوتاہیاں تو ہیں

○

باقی ہیں جو کچھ سانسیں انھیں پیار سے جی لوں
ساقی ہے مقابل تو زرا شوق سے پی لوں

کیا عشق کے تپتے ہوئے صحرا میں ملے گا
تھم جائے یہ گردش تو گریبان میں سی لوں

تو پیار سے دیکھے تو گزر جاؤں جہاں سے
یا مجھ کو بتا دے کہ کوئی راہ نئی یوں

کچھ دورِ خزاں میں بھی اُتر آئے تو صد شکر
لازم تو نہیں ہے کوئی نوخیز کلی لوں

دن بھر کی مشقّت میں شکم سیر نہیں ہے
روٹی بھی فقط ایک ہو اور وہ بھی جلی لوں

جنت میں بھی اقسام ہیں حوروں کی ، خدایا؟
ایسا ہے تو پھر حور کوئی دل کی بھلی لوں

جنت ہو میرے سامنے کہ عرشِ بریں ہو
گر فیصلہ میرا ہو تو میں تیری گلی لوں

لے لوں میں بلائیں ترے ہر جور و ستم کی
گھر چھوڑ دوں ، تیرے لیے میں دربدری لوں

O

اب وہ سوغاتِ رنگ و بُو بھی نہیں
گُل کے کھلنے کی آرزو بھی نہیں

کب تلک تیری جستجو کرتے
جستجو کی رہی وہ خُو بھی نہیں

جام ہاتھوں میں ہے، مگر خالی
دل کو اب خواہشِ سبو بھی نہیں

دل میں وہ ولولہ نہیں باقی
اور وہ اندازِ گفتگو بھی نہیں

کیوں خموشی ہے تیری محفل میں
وجہ کیا ہے وہ ہاؤ ہُو بھی نہیں

اس کو دیکھا تو تیری یاد آئی
وہ مگر تجھ سا خوبرو بھی نہیں

رونقِ دل نہیں وہ پہلی سی
تیری شہرت وہ چار سُو بھی نہیں

کیوں نظر کو جھکائے رکھتی ہے
جب کوئی پاسِ آبرو بھی نہیں

○

ہے زندگی ، ہم رکاب ، باقی
تو منزلوں کا رباب باقی

ہے اِنتہائے شباب باقی
کتابِ اُلفت کے باب باقی

نہ کارواں ہے ، نہ ہے سفینہ
سراب باقی ، حباب باقی

طلب کی آتش میں جل رہا ہوں
تو اب کہاں کا عذاب باقی

قدم ، قدم پر نشاں ہمارے
حکایتوں کی کتاب باقی

معاف کر دوں ستم تمہارے
گئے دِنوں کا حساب باقی

یہ کیسی ذہنوں کی کشمکش ہے
ہے درمیاں میں نقاب باقی

گماں اِشارے تو کر رہا ہے
تمہارا لیکن جواب باقی

نہ اب وہ جلوے ، نہ محفلیں ہیں
بس ایک مشتِ تراب باقی

O

کوچہ، کوچہ چل رہے ہیں لگ کے دیواروں کے ساتھ
لوگ خائف ہیں کہ ہے رشتہ کوئی سایوں کے ساتھ

خواب سے ناتے تھے، شب کے ساتھ ہی رُخصت ہوئے
کھو گئیں لذت بھری دل جوئیاں کرنوں کے ساتھ

یاد بن کر ذہن کے پردوں میں جا کر چھپ گئے
جو دھڑکتے تھے ہماری جان میں لمحوں کے ساتھ

اُٹھ گئی محفل تو دیکھیں کون پیچھے رہ گیا
کون آخر شب تلک رہتا ہے اب رِندوں کے ساتھ

اِک جوا تھی زندگی اور داؤ تھے تقدیر کے
رفتہ ، رفتہ ہر خزانہ لٹ گیا شرطوں کے ساتھ

کچھ جنوں انداز تھے امبر پہ ، وہ بھی چھپ گئے
اب قدم کیسے اُٹھائیں ہم خردمندوں کے ساتھ

رات کا پچھلا پہر اور ان کی یادوں کی شراب
لمحہ ، لمحہ پی رہے ہیں غم میں بیداروں کے ساتھ

آئیے چل کر کہیں صحرا میں ڈھونڈیں آستاں
کچھ جنوں میں وقت کٹ جائے گا دیوانوں کے ساتھ

جدتِ خیال

کوئی
تازہ
نیا
عمدہ خیال
ہمارے ذہن میں آتا ہے
جب بھی
ہم اس کو
سوچ لیں
سہہ لیں
پرکھ لیں

تو اس کے درجۂ کاروعمل تک
پہنچ جانا ہی بہتر ہے

کہ اس کو چھوڑ دیں
گر یوں بھٹکنے
کہ بس
پلتا رہے
پکتا رہے
سڑتا رہے تو
وہ اِک دن
ذہن کے گودام کی یادداشتوں میں
پڑا
کڑھتا ملے گا

نہ وہ خود ہی کسی قابل رہے گا
نہ اس پہ وقت ہی تکیہ کرے گا

لمحہِ بے وفا

غم بھی تھا
کسک بھی تھی
ہلکی، ہلکی چبھن، چبھن بھی تھی
دل کے گہرے عمیق خانوں میں
دھیمی، دھیمی سی اِک اگن بھی تھی
تیرا چہرہ بھی تھا خیالوں میں
تیری آنکھوں کا اِک نشہ بھی تھا
تجھ کو چھونے کی اِک طلب سی تھی
تجھ سے ملنے کی آرزو بھی تھی
پھر بھی اُمید ساتھ چھوڑ گئی
تجھ سے رِشتے تمام توڑ گئی

اس کو دیکھا تو بس نہ جانے کیوں

ایک موہوم سی طلب جاگی

اس کا چہرہ حسین، روشن تھا

جیسے پت جھڑ میں جھیل کا چہرہ

میں نے اس کی شراب آنکھوں میں

اپنی نظریں اُتار کر دیکھا

اِک عجب شوق سا تھا

قربت تھی

کچھ عجب سا سکون تھا ان میں

اس کی باتوں میں اِلتجا سی تھی

اِک تعلّق کی اِبتدا سی تھی

تیری حسرت سے بے وفا ہو کر

اپنی قسمت سے بدگماں ہو کر

اس کو اپنا بنا لیا میں نے

قرض جاں پہ اُٹھا لیا میں نے

ایک کمزور بے وفا لمحہ

اپنا ساتھی بنا لیا میں نے

بدنما داغ بے وفائی کا

سرِ داماں سجا لیا میں نے

○

فانی لمحوں کے درمیاں ہوں مَیں
پھر بھی کہتا ہوں ، جاوِداں ہوں مَیں

کیا کوئی زندگی کا ہے حاصل؟
کیوں یہ لگتا ہے کامراں ہوں مَیں

کل کے پردوں میں جو پنپتی ہے
وہ مصیبت ہوں ، ناگہاں ہوں مَیں

جسم محدود ہے ، کہ لاغر ہے
ذہن دیکھو تو بے کراں ہوں مَیں

آج کے جُہد کا میں ہوں قائل
کل کی عظمت کا پاسباں ہوں مَیں

میری نظروں میں دل دھڑکتا ہے
تپتے صحرا میں سایباں ہوں مَیں

تو نہ مجھ کو الگ سمجھ خود سے
تیری دھڑکن کا رازداں ہوں مَیں

دُشمنِ جاں کا مجھ پہ قتل روا
ورنہ دیکھو تو مہرباں ہوں مَیں

○

خدا کرے وہ کہیں روشنی میں زندہ ہو
سکوتِ دل میں ، کہیں خامشی میں زندہ ہو

اسے مَیں ڈھونڈتا رہتا ہوں طاقِ نسیاں میں
وہ شاذ دِیر کی جادوگری میں زندہ ہو

مری جبیں پہ ہے سجدوں کا اِک نمایاں نشاں
خلوص میں ، وہ کہیں عاجزی میں زندہ ہو

میں شام ہوتے ہی ساغر سنبھال لیتا ہوں
کسے خبر وہ مری بے خودی میں زندہ ہو

بہارِ نو میں یہ پیغام لے کے آئی نسیم
پتا کرو وہ کہیں تازگی میں زندہ ہو

رقیب سے بھی مرے کچھ نہ کچھ مراسم ہیں
تلاش کر لوں ، کہیں جاں کنی میں زندہ ہو

نفوذِ دہر میں بھٹکا ہوں حسرتیں لے کر
مبادا گرد میں ، تشنہ لبی میں زندہ ہو

یہ کہہ رہا ہے مرا آئینہ ، کہ تو شاید
کمالِ حسن کی سنجیدگی میں زندہ ہو

میں لکھ رہا ہوں کہ شاید مرا بھی نام کہیں
مرے کلام کی بے ساختگی میں زندہ ہو

○

دہکی ہوئی زمین ہے ، جلتا ہے آسماں
رو ، رو کے کر رہی ہے شکایت زباں ، زباں

پھیلی درونِ خانہ ہیں کیا ، کیا حکایتیں
در سے گزرنے والوں کو لگتے ہیں شادماں

ان کو کبھی بھی عشق میں ملتا نہیں سکوں
جو سن کے ٹال دیتے ہیں تنقیدِ دل براں

ہم نیم کافروں کو بھی کچھ حوصلہ تو دیں
کرتے رہیں گے کب تلک تقلیدِ زاہداں

رستۂ پہ چل رہا ہے مگر بے سکون ہے
منزل کے اِنتظار میں رہتا ہے کارواں

ہم ان کے اِنتظار میں کیوں آس چھوڑ دیں
سورج تو ڈھل رہا ہے، مگر شب ہے درمیاں

ہم سے نظر مِلا کے وہ کرتے نہیں ہیں بات
کچھ پھر غلط ہوا ہے کہ دل سے ہیں بے گماں

یہ کیسی خامشی ہے کہ جان میں اُتر گئی
احساس کند، کند ہے، الفاظ بے زباں

جب ان کو کب کے بھول کے ہم ترک کر چکے
کیوں دل میں ایک ہُوک سی اُٹھتی ہے ناگہاں

ہم تو مرے ہیں آج، تو کل ہو گئے فنا
رہتے ہیں کیسے لوگ کچھ دُنیا میں جاوِداں

گھر ، بار جل رہے ہیں مگر روشنی تو ہے
ظلمت میں کوند ، کوند کے کہتی ہیں بجلیاں

یا رب! ہمارے عشق کی رکھیو زرا تو لاج
ہم یوں گزر نہ جائیں زمانہِ سے بے نشاں

ہر بات کھول ، کھول کے کہتے ہیں غیر سے
کتنے ہیں پُرخلوص ہمارے یہ رازداں

بادِ صبا کو روک تو لے گی فصیلِ شہر
خوشبوئے نوبہار کو جھٹکے گا کیا جہاں

دل کھول کر رکھیں گے کبھی ان کے سامنے
شاید ہمارے حال پہ ہو جائیں مہرباں

○

عزتِ نفس کیا اُچھالیں گے
دل میں ہر بے کسی چھپالیں گے

تنکا ، تنکا بکھر گئی ہے جاں
اب جو باقی ہے وہ سنبھالیں گے

تیری پوجا کریں گے مٹنے تک
دل میں مندر سا اِک بنا لیں گے

دل دھڑکتا ہے اب ، نہ ہے رُکتا
اس کے جوکھم بھی ہم اُٹھالیں گے

کچھ نبھانا ہے زندگی سے بھی
جتنا ہو گا غموں کو ٹالیں گے

ٹوٹنے دیں گے نہ آس کی ڈوری
دل میں اُمید سی جگا لیں گے

تو نے دیوار جو اُٹھائی تھی
اس کو ہم پیار سے گِرا لیں گے

جوڑے رکھنا ہے جان سے رِشتہ
آخری سانس تک بچا لیں گے

غم کا اظہار کر تو سکتے ہیں
تیری حرمت کو کیا اُچھالیں گے

خدا کرے

خدا کرے نہ تجھے آنچ زندگی کی لگے
خدا کرے نہ ترے آنکھ میں نمی آئے
خدا کرے نہ پڑے دھول تیرے چہرہ پر
خدا کرے نہ ترا دل ہو بے قرار کبھی

خدا کرے نہ خزاں تیرے باغ میں اُترے
ہزار پھول تری شاخ ، شاخ پر مہکیں
ہزار چاند فلک پر ترے اُتر آئیں
ہر ایک صبح کا سورج تری نیا نکلے

تو ایک خواب سا دیکھا کرے جوانی کا
ترے شباب کے دن ، رات بس ٹھہر جائیں
ہوائے شوق تجھے چھیڑ ، چھیڑ کر گزرے
زمیں پہ پیار کا مخمل ترے قدم چومے

خدا کرے نہ حقیقت سے سامنا ہو ترا
کبھی نہ کوئی نظر تیرے دل پہ وار کرے
نہ کوئی بات گراں ہو تری سماعت پر
نہ وقت آ کے شکایت کرے کبھی تجھ سے

خمارِ شوق چھلکتا رہے نگاہوں سے
گلاب بن کے نکھرتے رہیں ترے عارض
ہتھیلی تیری حنا سے صدا مہکتی رہے
تری کلائی میں کنگن چھنک ، چھنک بولیں

مَیں دُور سے ہی سہی ، دیکھتا رہوں تجھ کو
تری شراب جوانی نظر سے پیتا رہوں
ترا نشہ مرے انفاس میں اُتر آئے
مَیں تیرے دل میں اُتر جاؤں آرزو بن کر

O

ذکرِ زنداں سے ہمیں پیار ہوا جاتا ہے
دل کسی غم میں گرفتار ہوا جاتا ہے

کوئی غصہ نہیں، تکلیف نہیں، چاہ نہیں
کیوں گلابی ترا رُخسار ہوا جاتا ہے

سیلِ غم ہے کہ ٹھہرتا نہیں جاں کے اندر
بس کوئی دم میں ہی اظہار ہوا جاتا ہے

بے محابہ ہے ترا حسن، نگاہیں بے باک
ہر بشر عشق میں سرشار ہوا جاتا ہے

تو نہیں ہے تو نگاہوں میں ہے وحشت کیسی
دل میں اِک شوق سا بیدار ہوا جاتا ہے

یہ مرا دوغلا پن ہے کہ جہاں داری کچھ
میرا مشکوک سا کردار ہوا جاتا ہے

اِتنی نفرت نہ بڑھا مجھ سے کہ دیکھے دُنیا
دوست ، دُشمن مرا غم خوار ہوا جاتا ہے

اِک نیا روگ ، قیامت کا لگا ہے ، خالدؔ
ذہن انسان کا بیمار ہوا جاتا ہے

O

کوئی لمحہ جو راس ہوتا ہے
دل مرا بے لباس ہوتا ہے

دُوریوں میں وصال کی اُمید
درد پابندِ یاس ہوتا ہے

تیرے آگے زبان پر قابو
دل مگر بدحواس ہوتا ہے

دِل کو ملتا ہے اِک عجیب سکون
تو اگر آس ، پاس ہوتا ہے

دل میں لاکھوں سوال اُٹھتے ہیں
جب کبھی تو اُداس ہوتا ہے

زور چلتا نہیں زمانہِ پر
عشق بس اِلتماس ہوتا ہے

اس سے کیا دل کی بات کا پردہ
وہ جو مردم شناس ہوتا ہے

گھر میں لا کر اسے سجانا کیا
گُل جو بے رنگ و باس ہوتا ہے

○

آبادیوں سے دُور ہی رہتے ہیں خیمہ زن
جاں پر لیے ہوئے ہیں فقیروں کا پیرہن

تم آئے تو بہار سی پت جھڑ میں آ گئی
کھلتے سے لگ رہے ہیں یہ نرگس، یہ یاسمن

بے تابیاں تمہاری مرے دل پہ نقش ہیں
آنکھیں وہ نیم وا سی ، وہ کھلتا ہوا دہن

باقی رہی نہ شوق میں حدّت ، وہ بے کلی
دل میں وہ خودکشی کی نہ باقی رہی لگن

رستے پلٹ ، پلٹ کے لگاتے رہے سراغ
چھوڑا نہ منزلوں نے کوئی شہر ، کوئی بن

باقی ہزار کام تھے لیکن جُٹے رہے
بربادیوں کے بحر میں مشتاق غوطہ زن

زندہ رہا تو ڈھونڈ ہی لوں گا ترا پتا
گر مر گیا تو رُوح رہے گی یہ گامزن

اس بحرِ ذوق و عشق میں موتی ہیں بے بہا
غوطے لگا کے ڈھونڈتے رہتے ہیں اہلِ فن

O

آج ہی جان لٹا دوں ، کہ رُکوں
اپنا گھر بار جلا دوں ، کہ رُکوں

بات کہنے کو ہے اِک عمر ، مگر
دل کی دیوار گرا دوں ، کہ رُکوں

یادِ ماضی سے چھڑا کر دامن
اپنے آثار مٹا دوں ، کہ رُکوں

دل سُلگتا ہے ، جُھلس جاتا ہے
سارا سنسار جلا دوں ، کہ رُکوں

تیری خوشبو مرے احساس میں ہے
صحنِ گلشن میں اُڑا دوں ، کہ رُکوں

یہ سُلگتے ہوئے جذبوں کا نقاب
تیرے چہرِہ سے ہٹا دوں ، کہ رُکوں

تیری یادیں بڑا تڑپاتی ہیں
غم کو دستور بنا دوں ، کہ رُکوں

کھلتا جاتا ہے بھنور کا گھیرا
ناؤ ساحل سے لگا دوں ، کہ رُکوں

خاک

میرے قدموں میں کبھی خاک بہت اُڑتی ہے

میرے دامن سے کبھی آ کے لپٹ جاتی ہے
کبھی چہرہِ پہ بکھر جاتی ہے ، ذرّہ ، ذرّہ
کبھی آنکھوں میں اُتر آتی ہے کاجل کی طرح
کبھی بالوں کو چُھپا لیتی ہے ، بن کر چادر

پھر جو ساون کی گھٹا آ کے برس جاتی ہے
خاک ، کیچڑ کے حصاروں میں بدل جاتی ہے
گھیر لیتی ہے مجھے چاروں طرف سے گاہے
میرے پیروں سے لپٹ جاتی ہے ، مہندی کی طرح

کبھی پوشاک پہ رہ ، رہ کے اُچھل آتی ہے
لاکھ داغوں سے بچاؤں مَیں حیا کا دامن
یہ روایات سے اِنکار کیے جاتی ہے
میرے کردار کو گلنار کیے جاتی ہے

غم کی بارش میں نہاتا ہوں ، کہ دُھل جائے غبار
جا کے دریا کے کنارے پہ گنہ دھوتا ہوں
جھاڑتا رہتا ہوں میں دامن کو ہَوا کے آگے
سینکتا ہوں کبھی شعلوں کی تپش پر دستار

کیا کروں ، بات زمانہ کی ہے ، مرضی کی نہیں
خاک اُڑتی ہے تو سانسوں میں اُتر آتی ہے
میرے ماحول کا اِنعام ہے ، شکوہ کیسا
گندگی سوچ کے دھاروں میں گُھلی جاتی ہے

Out of the Box

چھوٹا سا آسمان ہے
محدود سی زمیں
محتاج ماہتاب ہے
نوعمر آفتاب
گنتی کے کچھ نجوم ہیں
گردوں ہیں آس، پاس

انسان بے زبان ہے
ہر جنس بے ثبات
گم راہ کاروان ہے
دو دِن کا سایباں

گر یہ ہی کائنات ہے
گر یہ ہی کُل جہاں
پھر کیا یہ اِنتشار ہے؟
کیسا یہ اِرتعاش؟
کس چیز کی تلاش ہے؟
کیسا یہ اِمتحاں؟

جب تک نہ میری بات کا آئے تجھے یقیں
دو چار عذر سوچ لوں تب تک میں ، دِل نشیں

تسکین آفریں ہے ترا طرزِ گفتگو
اُس پر ادا کمال کی ، چہرہ ترا حسیں

قسمت نے کیسا بے سر و ساماں کیا مجھے
سَر پر فلک ہے اپنا ، نہ قدموں تلے زمیں

شانوں پہ سر رہا ، تو دِکھاتا تھا راستہ
وہ جو نہیں تو کوئی بھی اب رہنما نہیں

چھت پر تُو آ کے مجھ کو بلائے گی ایک دن
کیسا یہ اِک خیال سا ہے دل میں جاگزیں

اے شہرِ یار! تیرے اُجڑنے کی دیر تھی
در ، در بھٹک رہے ہیں جہاں میں ترے مکیں

تو کب کا اُٹھ کے جا چکا ہے سامنے سے ، دوست!
سجدہ گزار کیوں ہے ابھی تک مری جبیں

ہر سمت آسماں پر گھٹاؤں کا راج ہے
پھر بھی چمک رہے ہیں ستارے کہیں ، کہیں

○

آسمانی تری آنکھوں میں جو گہرائی ہے
اس کی ہر شام سمندر نے قسم کھائی ہے

چاند راتوں میں وہ اِک رات تری قربت کی
بادہ خواروں میں دو آتشہ کہلائی ہے

تیری صورت میں جھلکتی ہوئی غم کی صورت
مسکراہٹ کے سرابوں میں نظر آئی ہے

مجھے صحرا بھی نظر آتا ہے گلشن ، گلشن
میری وحشت ہی مرے عشق کی بینائی ہے

نام لکھ دوں میں ترا شہر کے دروازہ پر
کیوں میں سوچوں یہ ترے پیار کی رُسوائی ہے

O

جب جوانی کی یاد آتی ہے
غم رسانی کی یاد آتی ہے

چاند چہروں کو دیکھ کر اکثر
زندگانی کی یاد آتی ہے

مت دِکھاؤ ہمیں یہ تصویریں
غم ، کہانی کی یاد آتی ہے

مسکرائیں تو رنگِ محفل میں
مہربانی کی یاد آتی ہے

عرق آلود ان کی پیشانی
جاں فشانی کی یاد آتی ہے

ان کی باتوں میں آس ہے کل کی
کامرانی کی یاد آتی ہے

جب پشاور کی بات ہے چھڑتی
قصہ خوانی کی یاد آتی ہے

اشک مونس تو ہیں مگر ، خالدؔ
شادمانی کی یاد آتی ہے

○

خاک ہو جاؤں تو کیا آ کے کبھی دیکھو گے
بن کے بادل مرے آنگن پہ کبھی برسو گے

رات کے پچھلے پہر ہجر کی خاموشی میں
کبھی دھڑکن کی طرح دل میں مرے دھڑکو گے

میں بخاروں کی طرح دل سے اُٹھوں، چھا جاؤں
اشک بن جاؤں تو آنکھوں میں کبھی بھر لو گے

کل میں ظلمات کی پستی میں اگر کھو جاؤں
چاند بن کر مرے خوابوں میں کبھی اُترو گے

میری یادیں کبھی تڑپائیں گی تم کو آ کر
مجھ سے ملنے کے لیے تم بھی کبھی ترسو گے

تصویر

اپنی تقدیر بُن رہا ہوں مَیں
اپنی قسمت کی بے ثباتی سے
زندگی کے گزرتے لمحوں میں
رنگ ہستی کے چن رہا ہوں مَیں

اپنی اس زندگی کے کینوس پر
میں نے جو بھی بنا لیا اب تک
جو بھی آگے بناتا جاؤں گا
رنگ جیسے بھی بھرتا جاؤں گا
سرخ، بے باک
سبز، شرمیلے

کالے، کالے سے

گہرے نسواری

سب وہی رنگ ایک جاں ہو کر

میری تصویر اِک بنائیں گے

دھوپ ہو

چھاؤں ہو

کہ بارش ہو

درد ہو

صبر ہو

کہ خوشیاں ہوں

لوگ موجود ہوں

کہ مر جائیں

پیار کرتے رہیں

کہ بٹ جائیں

زندگی ہو فنا
کہ پائندہ

بندگی عشق ہو
کہ مجبوری

رنگ گُھل ، مِل کے بات کرتے ہیں
جیسے اِک ہی زبان ہو ان کی
سارے رنگوں کی ایک ہستی ہو
ساری دُنیا یہ ایک بستی ہو

میری تصویر کے یہ سارے رنگ
مجھ سے اپنے ہی بن کے ملتے ہیں
دستِ قدرت کے سخت ہاتھوں میں
جسم بنتے ، کبھی بگڑتے ہیں

رنگ نظروں سے بات کرتے ہیں
دل کے اندر اُترتے جاتے ہیں

ان میں دُشمن ہے، کوئی دوست مرا
ان میں دھڑکن کوئی ہے، درد کوئی
کوئی فرقت ہے، کوئی حاصل ہے
کوئی ماضی ہے، کوئی حال مرا
کوئی لگتا ہے میرا مستقبل
کوئی خوابوں کی بات کرتا ہے

گرچہ پہچانتا ہوں مَیں سب کو
گرچہ مَیں جانتا ہوں اِک، اِک کو
میرے کینوس پہ پھیلتے یہ رنگ
ایسے گڈ، مڈ ہیں
ایک دُوجے میں
سب الگ ہیں
مگر حقیقت میں
مجھ کو لگتا ہے ایک جیسے ہیں
سب سے بنتا ہے ایک ہی چہرہ
میری تصویر کا حسیں چہرہ

Markham, Canada
9 فروری 2021ء

کہیں نہیں ہوں

سمندروں سے لڑا نہیں ہوں
میں ساحلوں پہ کھڑا نہیں ہوں
یہ کیسا عالم ہے موجِ ہستی
کہیں زمیں پہ پڑا نہیں ہوں

○

نیندیں کہاں گئیں ، وہ مرے خواب کیا ہوئے
دل میں اُمڈتے پیار کے سیلاب کیا ہوئے

جب ڈوبنے کی ٹھان لی تو بحر تھم گیا
طوفاں کہاں گیا ہے ، وہ گرداب کیا ہوئے

ہم ڈھونڈتے ہیں دُور ستاروں میں رونقیں
اپنی گلی کے گوہرِ نایاب کیا ہوئے

اُٹھتی ہماری سمت وہ بے باک سی نظر
محفل کا رکھ رکھاؤ ، وہ آداب کیا ہوئے

کیوں دُور تک نظر میں ہیں صحرا کی وسعتیں
جو لہلہاتے کھیت تھے شاداب ، کیا ہوئے

اب کیوں دھڑک رہا ہے خموشی سے ، بے حیا
تیرے وہ ولولے دلِ بے تاب کیا ہوئے

گم ہو گئیں کہاں وہ بہاریں ، وہ صبح ، شام
خوابوں کی جھیل ، سوچ کے سرخاب کیا ہوئے

اب مر کے آ گئے ہیں تو میداں ہے حشر کا
نہریں عَسَل کی ، دودھ کے تالاب کیا ہوئے

O

پھول مرجھائے تو میں رویا بہت
یاد وہ آئے تو مَیں رویا بہت

دھڑکنوں کے ساتھ تھا جن کا وجود
غیر کہلائے تو میں رویا بہت

دل کو اِک اُمید تھی موہوم سی
وہ نظر آئے تو میں رویا بہت

خوشبوؤں سے اُنس جب ہونے لگا
پھول کمہلائے تو میں رویا بہت

آنکھ کے گوشے جو کب سے خشک تھے
غم سے بھر آئے تو میں رویا بہت

پل رہے تھے جاں کے اندر مہر و ماہ
دل نے گہنائے تو میں رویا بہت

کتنی آشا سے لگائے تھے شجر
بے ثمر پائے تو میں رویا بہت

رکھ لیے ہیں دل کے اندر رنج و غم
داغ سہلائے تو میں رویا بہت

ان کے یاد آنے کے کتنے رنگ تھے
رنگ شرمائے تو میں رویا بہت

بیٹھ کر یاروں کی محفل میں کبھی
جام چھلکائے تو میں رویا بہت

○

تو ہے مانجھی تو کنارہ بھی بہت دُور نہیں
گرچہ رُخ موڑنا طوفان کا دستور نہیں

کچھ تو پتوار پہ تکیہ ہے ، ہواؤں پر کچھ
کون ہے جو یہاں حالات سے مجبور نہیں

کوئی مِل جائے اِشارہ ، تو قرار آ جائے
شاذ نظروں کو اُٹھانا یہاں دستور نہیں

تیری یادوں کی تجلّی میں ہے روشن ، روشن
زندگی سوگ نہیں ، یہ شبِ دیجور نہیں

تیرے ہی عشق میں کرتا ہوں عبادت تیری
میرے دل میں کسی جنت کی کوئی حور نہیں

گوشے دل کے

دل کے اندر چھپے ہوئے گوشے
کوئی روشن
کوئی اندھیرے سے
کوئی زندہ
تو کوئی پژمردہ
کوئی دہکے ہوئے سے انگارے
کوئی خاموش برف کے تودے
ایسے گوشے ہیں جو معطّر ہیں
میرے خوابوں کی بھینی خوشبو سے
ایسے گوشے ہیں جو دھڑکتے ہیں
بلبلاتے ہیں جو تڑپتے ہیں

ایسے گوشے ہیں جو سوالوں کا
اپنا، اپنا جواب رکھتے ہیں
ایسے گوشے ہیں جو جوابوں کا
بے محابہ حجاب رکھتے ہیں
کھول دیتے ہیں بندشوں کی طناب
نفرتوں کا حساب رکھتے ہیں
زندگی کی ہر ایک ٹھوکر کی
اِک مکمّل کتاب رکھتے ہیں

میرے دل کے ہزار گوشے ہیں
ان میں لاکھوں ہی راز ہیں پنہاں
کچھ کو دُنیا سے بانٹ لیتا ہوں
کچھ دفینے بنا کے رکھتا ہوں

میری ہر سوچ، میرا ہر مقصد
میری اُمید، میری ہر خواہش
ان ہی گوشوں میں چھپ کے رہتے ہیں
میری رگ، رگ میں بہتے رہتے ہیں

بس چلے جاؤ

تم جو ماضی سے پلٹ آئے ہو
یوں مرے در پہ چلے آئے ہو
سامنے میرے کھڑے ہو جیسے
اپنے ہر فعل پر پشیماں ہو
اپنی کرنی پہ بہت نادم ہو

اشک آنکھوں میں ہیں لرزاں، لرزاں
لب پہ الفاظ ہیں ٹھہرے، ٹھہرے

کیا بتاؤں تمھیں بپتا اپنی
کیا سناؤں تمہیں قصے غم کے

سال لگ جائیں گے گنتے، گنتے
میری تنہائی کی ترسی راتیں
عمر کٹ جائے گی سنتے، سنتے
دل میں سمٹی ہوئی اُلجھی باتیں
مرے الفاظ مرا ساتھ کہاں تک دیں گے
تابِ دُنیا کی سماعت میں کہاں تک ہو گی

میرے سینۂ کے دروں خانوں میں
یہ جو سردی سی جمی بیٹھی ہے
میرے لہجہِ میں، مری باتوں میں
یہ جو تلخی سی بھری رہتی ہے
میری آنکھوں میں تنفّر ہے جو
میرے چہرہ پہ جو اُکتاہٹ ہے
اب یہی میں ہوں
مری ذات کا یہ حصہ ہیں
جان! پہلی سی بشاشت میں کہاں سے لاؤں

اب نہ وہ پیار کی چاہت ہے
نہ رعنائی ہے
نہ غمِ عشق کی حدت سے شناسائی ہے
زندگی کٹ گئی کُڑھتے ہوئے، محرومی میں
دل میں ارماں ہیں، نہ احساس، نہ بینائی ہے

جل کے سب راکھ ہوا
آنچ ہے، شعلہ، نہ دھواں
مجھ سے نفرت کے سوا کچھ نہ ملے گا تم کو

بس! چلے جاؤ
مجھے چھوڑ دو تنہائی میں
میرے ٹھکرائے ہوئے پیار کی رُسوائی میں

O

اپنی ہی ذات سے جو شخص خفا ہوتا ہے
اس کا سجدہ سرِ افلاک ادا ہوتا ہے

دل کے خانوں میں جو رہتا ہے مسیحا بن کر
وہ ہی دراصل فقیروں کا خدا ہوتا ہے

ایک مُدّت سے چلا جاتا ہوں سوئے منزل
نام منزل ہے، مگر نام سے کیا ہوتا ہے

ذِکر کرتا ہوں مَیں جذبوں کا تری محفل میں
جذبۂ عشق مگر ان سے جُدا ہوتا ہے

دل سے مَیں پوچھتا ہوں ، جب بھی تمنّا ہے کیا
اس کی ہر ضد نئی ، ہر شوق نیا ہوتا ہے

یہ سلگنا ، یہ سسکنا ، یہ تڑپنا واجب
وہ ہی جلتا ہے جو شعلوں میں گھرا ہوتا ہے

دشتِ بے آبِ تمنّا میں بھٹکنا بے سود
گل وہ کیا ہو گا جو کانٹوں میں کھلا ہوتا ہے

اس سے کیا پوچھنا تقدیر ہے کیا، ظرف ہے کیا
وہ جو تدبیر کے اُس پار کھڑا ہوتا ہے

O

میں مناتا رہوں ، تُو روز خفا ہو جائے
زندگی بھر میں یہ اِک فرض ادا ہو جائے

سانس اُکھڑے کہ اندھیرے میں بکھر جاؤں کہیں
اِک تصوّر ہے بقا ، وہ بھی فنا ہو جائے

بات سننا ہی اگر تجھ کو گوارا ہو کبھی
دل کی خاموش طلب لب کی صدا ہو جائے

جو بھی کرنا ہے وہ معراج کی حد پر چھوڑوں
کم جو اچھا ہے وہ اچھوں میں بُرا ہو جائے

جان دے دوں مگر اظہارِ وفا؟ ناممکن
عشق کافور ہو اور درد ہوا ہو جائے

زندگی جب ہے تری یاد کی پہرہ داری
پہرہ کچھ سخت ہو اور یاد سوا ہو جائے

کوئی خواہش نہ رہے سود و زیاں کی یکسر
دل پہ جو تیر لگے میری جزا ہو جائے

تجھ کو دیکھوں میں اِشاروں میں، کہ سوچوں تجھ کو
بس کسی طور سے دیدار ترا ہو جائے

○

کچھ کہو ہم سے ، کچھ کہو ، نہ کہو
ہاں لبِ بام آیا ، جایا کرو

یہ کوئی داغ ہے ، کہ باقی خلِش
تم نے چھوڑا ہے ، دم بھرو ، نہ بھرو

تم ہی بیٹھے تھے کل پسِ چلمن
اِتنے انجان ، بے خبر نہ بنو

عقل کب تک تمہیں سنبھالے گی
دل جو کہتا ہے ، اس کی بات سنو!

بس ہمارا ہی دل ہے زیرِ عتاب
کچھ تو فطرت کی چوٹ تم بھی سہو

آج پی لیں تمہارے غم سارے
کاسۂ دل میں کل رہو ، نہ رہو

رات ڈھلتی تو جا رہی ہے ، مگر
اِتنی جلدی چراغِ دل نہ بجھو

کیسی جادوگری ہے یہ دُنیا
ایک پردہِ کے پیچھے پردے دو

جامِ اُلفت اُٹھا رہے ہو کیا
اپنی محفل کے لوگ پہچانو

کیا ستم ہے کہ ہر قدم کے بعد
پاؤں گل رنگ کوئلوں پہ دھرو

○

دیوار ، در کرتے رہے
عمر بسر کرتے رہے

چلمنیں حائل رہیں
رُخ ، قمر کرتے رہے

کوششیں تھیں ناتواں
مقدور بھر کرتے رہے

ہر اگر کے سامنے وہ
ہاں ، مگر کرتے رہے

جو قضا کا فرض تھا
چارہ گر کرتے رہے

ہر نظر سے قتل وہ
بے خبر کرتے رہے

وہ نہ مانے ، کام تو
نامہ بر کرتے رہے

غم کی گھڑیوں کا شمار
رات بھر کرتے رہے

گاہے ، گاہے ہم پہ بھی
وہ نظر کرتے رہے

آگ بھڑکاتا ہوں

آگ بھڑکاؤں میں
انگاروں پہ میں پگھلاؤں
کبھی سونا،
کبھی پیتل،
کبھی لوہا،
سیسہ
کبھی اوزار بناؤں
کبھی ڈھالوں تلوار
کبھی اِدراک کے ایندھن میں
نکھاروں افکار
کبھی احساس فروزاں

کبھی جذبے بیمار

میں، کہ حدّت ہی وسیلہ ہے
مرے جینے کا
میرا دُنیا سے گزرنے کا،
سفر کرنے کا
میرے اعضاء میں جو دن، رات تپش رہتی ہے
میرے کردار کی تصویر دِکھاتی ہے مجھے
اِرتقائے رہِ تعمیر سکھاتی ہے مجھے

اسی تعمیر کی اِک آگ لیے پھرتا ہوں
اسی تسخیر کی کوشش میں لگا رہتا ہوں
پس، اسی آگ پہ میں ڈھالتا ہوں شمشیریں
اسی شمشیر سے تقدیر بناتا ہوں میں
گرمیِ شوق سے رکھتا ہوں محبّت کے اثاث
حدتِ عشق سے دُنیا کو سدھاتا ہوں میں
آگ بھڑکاتا ہوں، شعلوں کو ہَوا دیتا ہوں

سب برابر ہیں، مگر کچھ

سب برابر ہیں
کہ حق سب کو ملے
ہاں مگر حق جو ملے
حق وہ برابر تو نہیں

کچھ کا حق
کچھ سے زیادہ ہے
کہ حق ان کا نہیں

کچھ کا حق
کم
ہے
کہ حق سب کا نہیں

سب برابر ہیں
مگر کچھ۔۔۔!؟

O

میں قسمت کا ستارہ ڈھونڈتا ہوں
کہ گردوں میں اِشارہ ڈھونڈتا ہوں

زمانے بھر کی نفرت اور ترا غم
میں طوفاں میں کنارہ ڈھونڈتا ہوں

کوئی چشمک ، زرا سی مسکراہٹ
میں تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہوں

بڑی لعنت ، ملامت ہو رہی ہے
ستم جو ہو گوارا ، ڈھونڈتا ہوں

تری یادوں کی خلوت میں جو عرصہ
مرے دل نے گزارا ، ڈھونڈتا ہوں

زمانے کی نظر سے بچ کے ملنا
تعلّق وہ ہمارا ، ڈھونڈتا ہوں

جوانی کی جھلستی رہ گزر پر
مجھے کس نے پکارا ، ڈھونڈتا ہوں

بھٹکتا ہوں جفا کی وادیوں میں
کہاں ہو گا گزارہ ، ڈھونڈتا ہوں

پڑاوٗ اُٹھ چکا ، ہے سرد چولہا
میں مٹی میں شرارہ ڈھونڈتا ہوں

○

بات کرتے ہیں وہ اِشاروں سے
وہ بھی اپنوں سے، غم گساروں سے

کچھ تو خود سے ہی کہہ دیا ہوتا
کہہ دیا ہوتا کوہ ساروں سے

گل سے اُٹھتی ہیں آگ کی لپٹیں
برف گرتی ہے آبشاروں سے

ہم کہ طوفاں میں ناؤ کھیتے ہیں
ہم کو رغبت نہیں کناروں سے

راستے منزلوں سے بنتے ہیں
بے غرض ہیں یہ شہ سواروں سے

بات وہ جگ میں مشتہر کر دی
جو چھپانی تھی رازداروں سے

یہ مہک سی ہے کیا ہوا کے ساتھ
اس کا رِشتہ ہے کیا بہاروں سے

اب کہ دُنیا کو چھوڑنا ٹھہرا
دُور جائیں گے ہم ستاروں سے

O

جو اپنی قوم کے دُکھ، درد میں شامِل نہیں ہوتے
کسی تعظیم کے، تکریم کے قابل نہیں ہوتے

ہر اِک گھنگرو جو بجتا ہے وہ پائل میں نہیں جَڑتا
مدارج یہ ہر اِک مزدور کو حاصل نہیں ہوتے

ضروری تو نہیں طوفان کے ٹلنے پہ منزل ہو
جزیرے مِل ہی جاتے ہیں، مگر ساحل نہیں ہوتے

قلندر بھی تو ہوتے ہیں گزرگاہِ زمانہ میں
کہ جن ہاتھوں میں ہو کشکول وہ سائل نہیں ہوتے

یہ کیسے لوگ ہیں ، کیسا جنوں ہے ، کیسی ہے وحشت
چلاتے تیر ہیں سینہ پہ اور قاتل نہیں ہوتے

بہت سا درد ہے ، کچھ زخم ہیں ، کچھ غم ہے پوشیدہ
ہمیں ایذا تو دیتے ہیں مگر حاصل نہیں ہوتے

نصیبوں کے جھروکوں سے کبھی جھانکو تو بستی میں
یہ تم سے کہہ دیا کس نے یہاں بسمل نہیں ہوتے

ہے جب سے ملک کی سرحد پہ دُشمن کا لگا پہرہ
تو ہم سوتے تو ہیں راتوں میں پر غافل نہیں ہوتے

○

اِنتظار اس کا اب کروں ، نہ کروں
دل میں جو بات ہے ، کہوں ، نہ کہوں

کل کا کیا اعتبار دُنیا میں
کل جو آئے تو میں رہوں نہ رہوں

راستے دُھند میں چھپے سے ہیں
دلدلوں میں قدم دھروں ، نہ دھروں

جس جگہ زندگی کی شام ہوئی
اس جگہ کا میں دم بھروں ، نہ بھروں

میری لہروں میں کچھ تلاطم ہے
اب روانی سے میں بہوں ، نہ بہوں

دوستی کر تو لوں گلابوں سے
تیر دل پر میں اب سہوں ، نہ سہوں

تیری جنت کی آرزو تو ہے
زندگی چھوڑ کر مروں ، نہ مروں

میرا جسم، میری مرضی

میں ہوں انسان تو اِتنا تو ملے حق مجھ کو
یہ مرا جسم ہو بس میرے اِرادوں کا مطیع
جیسے چاہوں میں بناؤں ، میں سنواروں اس کو
جب میں چاہوں مَیں چھپاؤں ، میں نکھاروں اس کو
سات پردوں میں اسے ڈھانپ کے چاہے رکھوں
یا دکھاؤں سرِ بازار اسے دُنیا کو
رُخ پہ پردہ میں گراؤں ، کہ محابہ رکھوں
تیر نظروں کے چلاؤں ، کہ جھکا کر رکھوں
یہ مرا جسم ہے ، مرضی مری جیسے رکھوں
اپنے ایمان و عقاید کے مطابق رکھوں

ہاں مگر کچھ ہیں تقدس کی شرائط لاگو
کچھ قواعد ہیں جو انسان بناتے ہیں مجھے
ان میں غالب ہے یہ اِک شرط کہ جو بھی ہو، مگر
کسی انساں کے ہوں جذبات نہ مجروح کبھی

کیوں مجھے لوگ بتائیں کہ جیوں میں کیسے
کیسی پوشاک مَیں پہنوں، میں اُتاروں کیسے
اپنی تُو سوچ کا مالک ہے، اسے سیدھا رکھ
اپنے اعمال کا ضامن ہے، انھیں رکھ صالح
تو نہ ہو جو مجھے اخلاق سکھائے آ کر
بے خطر، ظرف کے آداب بتائے آ کر

مجھے احساس دلائے کہ وہ انداز ہیں کیا
میرے اعضاء کو سکھائے کہ وہ آداب ہیں کیا
جو مجھے گردشِ امروز میں بہکاتے ہیں
جو مجھے شدتِ جذبات پہ اُکساتے ہیں

میں کوئی زلف نہیں ہوں کہ اسے جو چاہے
اپنے انداز سے ، ترتیب سے سلجھائے گا
میں کوئی قرض نہیں ہوں کہ جہاں ، جیسے ہو
چھوٹی ، چھوٹی ، بڑی اقساط میں چُک جائے گا

مجھ کو معلوم ہے اخلاق ہے کیا ، ظرف ہے کیا
مجھ پہ ماحول کا ، تہذیب کا ، پر قرض ہے کیا
مَیں ہوں انسان ، تو انسان کی فطرت ہے مری
جو زمانہ ہے ، اسی طرز کی خصلت ہے مری

مجھ پہ یہ چھوڑ کہ میں کیسے جوانی لکھوں
اپنی نسلوں کے لیے اپنی کہانی لکھوں
تو جو کہتا ہے ، تجھے میں نے ہی سکھلایا ہے
درس اخلاق کا میں نے ہی تو سمجھایا ہے

نوٹ:۔ یومِ خواتین 2020ء کے موقع پر پاکستان میں ایک مظاہرہ کے دوران کچھ خواتین کا نقطۂ نظر

چلے ہو تم

چلے ہو تو
تمہارے راستہِ میں
کوئی طوفان نہ اُٹھے
کوئی چٹان نہ اُبھرے
کوئی سیلاب نہ آئے
کوئی شمشیر نہ چمکے

تمہارے ہر قدم پر
گھاس کے تختے بچھے جائیں
گلوں کے رنگ اور خوشبو بکھر جائیں

تمہارے آسماں پر
چاند اور سورج فروزاں ہوں

تمہاری آرزو کے
خواہشوں کے
خواب پورے ہوں

تمہارے دل کی دھڑکن
وقت کے لمحوں میں ہو مدغم
تمہاری زندگی
اِک دائمی راحت میں ڈھل جائے

مرا کیا ہے
مرا اب زندگی سے کیا علاقہ ہے!

○

تم جو اپنے ہو ، تو اپنوں کا چلن اپناؤ
یہ جو اُلجھے ہوئے دھاگے ہیں ، انھیں سلجھاؤ

جان لینی ہے ، تو کچھ آن بھی دینا ہو گی
اپنے دل کو یہ کڑی شرط زرا سمجھاؤ

درد اُٹھتا ہے ، تو اِک آگ لگا دیتا ہے
دل سے کچھ بات کرو ، کچھ تو اسے بہلاؤ

جب رُلاتے ہو ، تو دامن پہ بکھر جاتے ہو
کبھی شرمائے سے ، پچھتائے ہوئے یاد آؤ

بات مرنے کی نہیں ، پار اُترنے کی نہیں
غرق ہونے کی ہے ، غرقاب اگر ہو جاؤ

یہ ضروری تو نہیں سکھ ہی نصیبوں میں رہے
زخم بھر پائے نہ گر ، اس کو زرا سہلاؤ

خشک بوٹے ہیں ، بہاروں کے نہیں نام و نشاں
اُجڑے گلشن میں کبھی آؤ ، اسے مہکاؤ

سنتے آئے ہیں ، کہ منظورِ نظر ہو خالق
کیسے کرتے ہو یہ ، ہم کو کبھی بتلاؤ

○

آؤ! چہرہ پہ رنگ ملتے ہیں
اس کے کوچہ میں آج چلتے ہیں

ہے بلاوا تو دیر کیا کرنا
ورنہ ہم گھر کہاں بدلتے ہیں

چاند تاروں سے کھیلنے والے
اِن خرابوں سے کب بہلتے ہیں

راکھ دامن کو چُھو نہ جائے کہیں
آگ میں ہم سنبھل کے جلتے ہیں

آس ٹوٹے تو دل کے ٹکڑوں سے
کتنے خاکے نئے نکلتے ہیں

کچھ زمانہ کی تلخ ہے گفتار
ہم بھی کچھ بے وجہ مچلتے ہیں

دم اگر بے وفا کا ہیں بھرتے
کیوں تاسف میں ہاتھ ملتے ہیں

اب محبّت سے کیا گلہ، خالدؔ!
کب عداوت سے دن بدلتے ہیں

○

دل میں ترے فراق کا غم پالتا رہا
بیٹھا میں عمرِ رفتہ کے پل چھانتا رہا

تو سامنے تھی اور تھی میری نگاہِ شوق
آنکھوں میں میرا ذوقِ نظر جاگتا رہا

فطرت پکارتی رہی مجھ کو جگہ ، جگہ
دُنیا کے پیچھے میرا گماں بھاگتا رہا

بخشش نصیب میں تھی ، نہ شدت تھی عشق میں
قدرت سے بے خودی کی دُعا مانگتا رہا

سامانِ آگہی تھا کہ میدانِ حشرِ جاں
میں چل دیا جدھر وہ مجھے ہانکتا رہا

چاہا تو تھا کہ حد سے گزرتا نہ میرا عشق
وحشت میں تجھ کو اپنا خدا مانتا رہا

تیری نگاہ میں وہ تڑپتا ہوا سوال
دل سے تمام عمر مرے جھانکتا رہا

○

وقت ناراض اگر ہو جائے
کتنا خاموش قمر ہو جائے

مجھ پہ گر ایک نظر ہو جائے
فصلِ اِمکان میں در ہو جائے

دھوپ ڈھل جائے تو تاریکی میں
درد زخموں کا ثمر ہو جائے

کیسا جذبہ ہے کہ رفتہ ، رفتہ
دل پہ غیروں کا اثر ہو جائے

چلتے جاؤ تو سفر بالآخر
ایک گم نام ڈگر ہو جائے

کل کے اسرار پہ اپنا تکیہ
کوئی ترکیبِ دِگر ہو جائے

چڑھتے جاتے ہیں ہر اِک ٹیلہِ پر
کوئی کُہسار تو سر ہو جائے

عمر اِتنی ہی لکھی ہے، جتنی
تیرے کوچہِ میں بسر ہو جائے

آبیاری کیے جاتا ہے زماں
نخل کوئی تو شجر ہو جائے

زنجیر

ثنا اس کی!
مگر تیری محبّت میں اگر لکھوں
تو کیا لکھوں
کہ تیرے حسن کا کچھ حق ادا ہو جائے

تعارف تیرا لکھتا ہوں
مگر پھر سوچتا ہوں مَیں
کہ لفظوں میں کہاں وسعت تری تعریف کرنے کی
مری آنکھوں کی کب جرأت
نظر بھر کر تجھے دیکھیں
قلم کیسے اُتارے حسن تیرا روئے کاغذ پر

ترے آنچل کے پیچھے زلف کی کالی گھٹا تیری
تری آنکھوں کی مستی میں حیا کے تیرتے ڈورے
ترے چہرہ پہ رنگ و نور کی بکھری ہوئی کرنیں
تری قامت کی ہر جنبش پہ اُٹھتی اِک قیامت سی

مری آنکھوں میں تیری چاہ کی جو جوت جلتی ہے
تری نظروں سے نشّہ بن کے جو اُلفت چھلکتی ہے
اسے میں شعر کے پیکر میں کیسے ڈھال کر لکھ دوں
میں کیسے جذب کے رِشتوں کو اِک زنجیر پہنا دوں

دوراہا

ہم کہ بیٹھے ہیں تری یاد کے دوراہے پر
آتے ، جاتے ہوئے سب لوگ یہاں ملتے ہیں

اب یہ سوچا ہے کہ چل دیں گے یہاں سے اُٹھ کر
تیری دُنیا سے بہت دُور چلے جائیں گے
خاک چھانیں گے محبّت کے بیابانوں میں
دھوپ جُھلسائے گی اور سنگ قدم چُومیں گے
خاک اُڑ ، اُڑ کے اُتر جائے گی آنکھوں میں کبھی
خار اُلجھیں گے سرِ راہ کبھی دامن سے

جب تلک دُور نظر آئیں گے یادوں کے سراب
ایک اُمّید سی اِس دل میں رہے گی زندہ

چھوڑ دے گی جو نظر ساتھ ہمارا آخر

بوجھ انفاس کا اس دل پہ جو بڑھ جائے گا

قافلہ وقت کا جب تھک کے ٹھہر جائے گا

ہم بھی اس دشت کی وحشت کو سمجھ کر منزل

اپنی اُمید کے گھوڑے سے اُتر جائیں گے

جیسے صحرا میں ہیں بسرے ہوئے لاکھوں رستے

ان پہ بنتے ہوئے، مٹتے ہوئے

قدموں کے نشاں

ان نشانوں کی طرح

ہم بھی تری یادوں کو

چند لمحوں کے لیے راستہ دکھلائیں گے

پھر ترے ذہن کے ادوار سے مٹ جائیں گے

○

وقت سمجھاتا بہت ہے
دل کو بہلاتا بہت ہے

جب سمٹ جاتی ہے حسرت
پاؤں پھیلاتا بہت ہے

زخم جو دیتا ہے ظالم
ان کو سہلاتا بہت ہے

بے رُخی کا تند باراں
ہم کو نہلاتا بہت ہے

تیرا یوں لڑنا ، جھگڑنا
جان ، برماتا بہت ہے

O

میں آسماں سے زمیں پر اُترنے والا ہوں
ہوں مشتِ خاک، جہاں میں بکھرنے والا ہوں

محبّتوں سے سدھایا ہے زندگی نے مجھے
اب اِمتحان سے شاید گزرنے والا ہوں

میں ایک پرزہ ہوں حالات کے تسلسل میں
کہاں میں وقت کی گردش سے ڈرنے والا ہوں

ابھی تو شام ہے، ڈوبا ہوں دُور مغرب میں
سویرے دھوپ کی صورت اُبھرنے والا ہوں

بدل رہے ہیں زمانہِ کے سارے رسم و رواج
تری صراحی مَیں ساغر سے بھرنے والا ہوں

اُدھڑ رہا ہوں ہواؤں سے دشتِ ویراں میں
قدم جہانِ حقیقی میں دھرنے والا ہوں

تو اہتمام جو کرتی ہے ، جو سنورتی ہے
تجھے خبر ہے ، تری مانگ بھرنے والا ہوں

میں کیوں نہ پیار کروں زندگی کی ہل چل سے
مجھے گماں ہی نہیں کب میں مرنے والا ہوں

○

سخن شناس ہو ، عالم میں روشناس نہیں
جہاں میں علم و ذہانت کا کوئی پاس نہیں

تم اپنے ذوق کے بارہ میں کچھ کہو ، نہ کہو
تمہارے لب پہ کوئی لفظِ بے لباس نہیں

ہماری جاں پہ گزر جائے ، جو گزرتی ہے
تمہارا ذِکرِ محابہ ہمیں تو راس نہیں

بھٹک گیا ہے جو منزل سے کاروانِ حیات
پلٹ کے راہ پہ آ جائے ، کوئی آس نہیں

کھلے ہیں پھول چمن کے ہر ایک گوشہ میں
نظر نواز سہی ، ان میں کوئی باس نہیں

نکل چلے ہیں تو آخر پہنچ ہی جائیں گے
بشر نہیں جو صعوبت سے روشناس نہیں

سرابِ دہر میں جینا عجب کشاکش ہے
کبھی شعور نہیں ہے ، کب بھی حواس نہیں

دیارِ غیر میں سنتے تھے زندگی ہو گی
عجیب بات ہے کوئی بھی آس ، پاس نہیں

کبھی ایسا بھی کرتے ہیں

محبّت میں کبھی ایسا بھی کرتے ہیں
گزرتے ہیں کبھی پیچھے کے آنگن سے
کبھی دالان میں رُک، رُک کے چلتے ہیں
کبھی رہ داریوں میں چُھپ، چُھپا کر
گلابی پنڈلیاں اُوپر اُٹھا کر
دھڑکتے دل کو
اپنے سانس کو
سینۂ میں روکے
خموشی سے گزرتے ہیں
کبھی کھڑکی کے پردۂ سے
جھلک ہلکی سی تکنے کے لیے

بے تاب رہتے ہیں
نظر آنے سے ڈرتے ہیں
مگر کوشش تو کرتے ہیں

تو وہ مہماں اگر نظریں اُٹھا کر
مبادا دیکھ لے ہم کو کہیں پردوں کے پیچھے
ہماری ناگہاں چوری
اگر پکڑی کبھی جائے
تو ہم اپنے پسینہِ میں
شرابور
روہانسے سے
نادم سے
بکھر جاتے ہیں
نظروں کے سرابوں میں

محبّت میں کبھی ایسا بھی کرتے ہیں

پھر

یہ دریچہِ میں پیار کی بارش
میری آنکھوں میں غم کی تغیانی
میری یادوں میں ہیں ترے سائے
مرے اطراف میں تری خوشبو
ایسا لگتا ہے کٹ گئی پت جھڑ
لوٹ آیا ہے جھومتا ساون
چہچہانے لگے پرندے پھر
اب جو آئے گا پیار کا موسم
پھر سے غنچے کھلیں گے آنگن میں
پھر سے خوشبو اُٹھے گی راتوں میں
کیا خبر تو بھی صبح دم، اِک دن
زینہ، زینہ اُتر کے آ جائے
اپنی جھولی بھرے تُو پھولوں سے
مَیں نظر میں تری خوشی بھر لوں

روشن جو یہ چراغ سرِ رہ گزار ہیں
ہیں محوِ اِنتظار ، ترے راز دار ہیں

ساحل کی ریت مَیں ، تری موجوں کی منتظر
ساگر تُو بے کراں ، تجھے ساحل ہزار ہیں

گھر ، گھر میں لوگ بند ہیں ، در ، در پہ قفل ہے
جیسے دَیارِ یار میں لاکھوں مزار ہیں

ہمت کی روشنائی سے لکھتے ہیں ہم حیات
سینے لہو ، لہو ہیں ، مگر بردبار ہیں

کرتے ہیں صبر کیوں کہ تجھے جانتے ہیں ہم
ورنہ تری حیات کے غم بے شمار ہیں

ہر صبح جاگتے ہیں نئے ولولہ کے ساتھ
ہم زندگی کا ظرف ہیں ، ہم اعتبار ہیں

قامت نہ دیکھ ، ذہن کی گہرائیوں کو دیکھ
ہم وسعتِ جہان ، ہمیں اِختصار ہیں

جاگیں تو اپنی قوم کی سلجھائیں اُلجھنیں
فی الحال دُشمنانِ دروں پہرہ دار ہیں

○

دُور افتادہ زمینوں پہ ٹھکانے میرے
گھر نہ رہنے کے ہزاروں ہیں بہانے میرے

اب نہ طائر ہیں ، نہ چہکار ہے آزادی کی
چومتے رہتے نہ ہدف کاش نشانے میرے

میرے اسلاف تھے ، تاریخ ہے جن سے روشن
میری دُنیا ہے ، یہ صدیاں ، یہ زمانے میرے

چھپتا پھرتا ہوں میں غیروں کے سحرخانوں میں
پیچھے ، پیچھے چلے آتے ہیں فسانے میرے

بند آنکھوں سے چلا جاتا ہوں سوئے منزل
ہیں سرابوں کی طرح ، خواب سہانے میرے

○

غم مجھے ہی ڈھونڈتا تھا
یہ عجب سا سلسلہ تھا

کم نظر ، بے حوصلہ تھا
ناؤ کا جو ناخدا تھا

وہ بچھڑتا جا رہا تھا
میں کھڑا خاموش سا تھا

اس کی نظروں میں حیا تھی
اس کا چہرہ باوفا تھا

نام لینا نامناسب
ہاں مگر دل کا کھرا تھا

دِکھ رہا تھا لاتعلّق
وہ مگر سب جانتا تھا

میں جو گزرا اس گلی سے
دُور تک وہ جھانکتا تھا

جس سے میں اُلجھا رہا، وہ
میری چاہت مانگتا تھا

وہ جو گنبد پر ہے قابض
کل مرے گھر سے اُڑا تھا

پارسائی کا وہ طالب
پارسا میں کب بنا تھا

○

اب کہ ہنگام نہیں ہے کوئی
دل پہ الزام نہیں ہے کوئی

ہے سبو ، مے کی فراوانی ہے
ہاتھ میں جام نہیں ہے کوئی

دل کے ٹکڑوں کو سمیٹے ہو تُم
دوسرا کام نہیں ہے کوئی

کھلے آکاش تلے سوتے ہیں
گھر تو ہے ، بام نہیں ہے کوئی

ساتھ چھُوٹا ہے ، کہ گھر چھُوٹا ہے
ہم سا گم نام نہیں ہے کوئی

دل کو منڈی میں لیے بیٹھے ہیں
لگ رہا دام نہیں ہے کوئی

ہم کو معلوم ہے جنت کیا ہے
دل میں ابہام نہیں ہے کوئی

کروٹیں خوب بدلتا ہے وہ
غم کو آرام نہیں ہے کوئی

سایہ

تیرے کومل گلاب ہاتھوں نے
میرے ہاتھوں کو چھو لیا تھا کبھی
اسی اِک لمس کا سلگتا نشاں
میری یادوں میں اب بھی باقی ہے

تیری خوابیدہ آنکھ کا جادو
میری راتوں کے ساتھ جاگتا ہے
تیری زلفوں کے جھومتے سائے
میرے ہر لمحۂ کو سجاتے ہیں

میں ترے غم میں اب نہیں روتا
تیری فرقت میں دل نہیں جلتا
بس زمانہ کے ساتھ چلتا ہوں
زندگی سے نباہ کرتا ہوں

ہاں، مگر دل کے ایک کونہ میں
تیری فرقت کا زخم جلتا ہے
جب بھی کوئی قدم اُٹھاتا ہوں
تیرا سایہ ہی ساتھ چلتا ہے

جزیرے

لو جزیروں کی بات کرتے ہیں
وہ جزیرے جو اب سمندر میں
گہرے پانی کے نیچے رہتے ہیں
وہ جزیرے کبھی نمایاں تھے
اپنی اُونچائیوں پہ نازاں تھے
ان پہ جنگل ، پہاڑ ، دریا تھے
ان پہ آبادیاں تھیں انساں کی
ان کے ساحل کو نوجواں لہریں
آگے بڑھ کر سلام کرتی تھیں
ان کی جانب اُمڈتے سیلِ رواں
اپنا رستہ بدل کے جاتے تھے

دُور ملکوں سے بادباں بردار
جو سفینے اُترنے آتے تھے
وہ قطاریں بنا کے گھنٹوں تک
بے تکاں اِنتظار کرتے تھے

پھر فضا کا مزاج جب بدلا
تند موجوں نے ان کو گھیر لیا
گہرے بادل اُمڈ کے آنے لگے
ان پہ آ کر برس کے جانے لگے
اب سمندر بھی ان کا دوست نہ تھا
ایسا بپھرا کہ ان پہ چڑھ دوڑا
اپنے اندر سمو لیا ان کو
ایک پل میں ڈبو دیا ان کو

○

جہاں لٹانے میں ہمیں دیر کہاں لگتی ہے
کسی دل دار کی بس ایک فغاں لگتی ہے

لق و دق یاس کا صحرا ہے نظر کے آگے
تیری اِک یاد ہے کہ موجِ رواں لگتی ہے

وقت گزرا ہے جو پابندِ وفا ہے گزرا
ہر گھڑی تیری رفاقت کا نشاں لگتی ہے

جب ہدف ہی دلِ مضطر ہو تو ڈرنا کیسا
تیرِ خوش سمت کو نظروں کی کماں لگتی ہے

تُو تو رہتا نہیں پھر گھر میں یہ ہلچل کیسی
کوئی گُم گشتہ گھڑی قید یہاں لگتی ہے

تو نہیں ہے تو ٹھہر سی گئی دُنیا دل کی
منجمد برف میں تصویرِ زماں لگتی ہے

دل سے دیکھو تو نظر آنکھ کی محتاج نہیں
نکھری ، نکھری ہوئی ، دُنیا یہ جواں لگتی ہے

تیری تقریر الگ ہے ، تری تحریر الگ
تیری تفسیر تضادوں کا بیاں لگتی ہے

○

دل میں اُٹھتے ہوئے جب وہم و گماں کو روکا
جیسے کہ بحر میں اِک سیلِ رواں کو روکا

وہ ہی افضل ہے کہ میدانِ فنا میں جس نے
تیر چلنے سے زرا پہلے کماں کو روکا

چھت برستی رہی بادل تھے مگر سب خاموش
غم کی بارش تھی ، مگر آہ و فغاں کو روکا

حوصلہ ضبط کا مت پوچھ کہاں سے آیا
حالتِ طیش میں یلغارِ زباں کو روکا

غلطی ایک نہیں ، دل نے ہزاروں کی ہیں
لاکھ دُنیا نے ، کبھی ظرف و زماں نے روکا

○

بس یکایک تھم گئی ہے جستجو میری
کیا کوئی پوری ہوئی ہے آرزو میری

مجھ کو دیوانہ سمجھ کر سنگ برسانے لگے
ان کو لایعنی لگی کیوں گفتگو میری

دل کی دھڑکن رُک گئی ہے، بند ہے میری زباں
اب سدا گونجا کرے گی کو بہ کو میری

خواب تیرے، فکر تیری، تیری دل آزاریاں
شکل تیری ہو گئی ہے ہوبہو میری

یہ چمن میرا نہ تھا ، لیکن اُگا تو کھل اُٹھا
خوشبوئیں اب پھیلتی ہیں چار سو میری

میں اگر محتاط ہوں اور اُف تلک کرتا نہیں
کیوں اُچھالی جا رہی ہے آبرو میری

دشتِ تنہائی بھی تیری یاد سے عاری نہیں
سونگھتی پھرتی ہے دُنیا جیسے بو میری

میں ترے کوچہِ میں آوارہ نظر پھرتا تو ہوں
کاش رکھتی ہو خبر چلمن سے تُو میری

O

ترا بامِ فلک میرا مکاں ہے
یہ ملنا اور بچھڑنا ہی زماں ہے

تو حق ہے یا کہ بس میرا گماں ہے
اگر موجود ہے تو کہہ، کہاں ہے

فقط در پردہ، دستک ہی نہیں اب
جو دل پیہم دھڑکتا ہے، فغاں ہے

نکھرتا جا رہا ہے غم میں چہرہ
درونِ دل جو شعلہ ہے، نہاں ہے

بہت مشکل ہے شاموں میں بہلنا
نہ ساقی ہے ، نہ اب فکرِ بُتاں ہے

نہ رِستا ہے لہو دل سے مسلسل
نہ ہاتھوں میں زمانہِ کے کماں ہے

نظر تھی ، لفظ تھے یا سنگ باری
مرے دل پر کوئی گہرا نشاں ہے

فصیلِ قصر سے کچھ دُور ، خالؔد
شکستہ سا کہیں میرا مکاں ہے

کچھ تو ہے

کچھ تو ہے
جو ابھی
محصور ہے
میرے اندر

یہ مری رُوح ہے؟
پندار ہے؟
خودداری ہے؟

اس کو آزاد کروں مَیں
تو بھلا کیسے کروں

چھاؤں

میرے آنگن میں کھیلتا بچہ
جب مری گود سے اُتر کے چلا
مجھ کو ایسا لگا کہ اب مجھ سے
دُور ہوتا چلا ہی جائے گا
اب کہاں گود میں مری واپس
لوٹ کر پیار سے وہ آئے گا

میں نے دیکھا کہ میرے آنگن میں
میرا چھوٹا سا ناتواں پودا
رفتہ ، رفتہ گزرتے وقت کے ساتھ
خاک اور دھوپ میں پنپنے لگا

اس نے اپنے ہی گھر کی مٹی میں
اپنی بڑھتی جڑوں کو گاڑ لیا

ایک چھوٹا سا ناتواں پودا
اِک تناور درخت بنتا گیا
جب وہ پھیلا تو اس کی شاخوں نے
مرے گھر کے بڑے سے آنگن کو
میری چھت کے چہار کونوں کو
میری راہوں کو ، میرے کوچہ کو
ایسے اپنا سمجھ کے ڈھانپ لیا
جیسے بچپن میں اپنی چادر سے
اِس کا چہرہ میں ڈھانپ لیتی تھی

میری گودی میں بے خبر ہو کر
جیسے گھنٹوں وہ سویا رہتا تھا
میں بھی محفوظ اس کی چھاؤں تلے
اپنے آنگن میں آج سوتی ہوں

○

میرے آنگن میں خیالوں کی جو پریاں اُتریں
ایک لمحہِ میں حسیں یاد کی صدیاں اُتریں

میرے خوابوں نے دکھائے جو مجھے مے خانے
جام اُترے ، تری چاہت لیےسکھیاں اُتریں

کیسی خوشبو ہے کہ پھر یاد تری لوٹ آئی
بکھری ، بکھری مرے احساس میں کلیاں اُتریں

بازگشت ہے تری آواز کی یا خوش فہمی
جیسے رس گھولتی کانوں میں وہ خوشیاں اُتریں

نام مٹ جائے گا دو دِن میں جہاں سے تیرا
مجھ سے کہتی ہوئی چہرے پہ یہ جھریاں اُتریں

اِک خیال آیا ، کہ مصرع ہوا ، پھر شعر ہوا
پھر خدا جانے یہ کس سمت سے کڑیاں اُتریں

○

زندگانی کو جستجو کیا ہے
خود کو پانے کی آرزو کیا ہے

زندگی ہے کہ ہے بپا محشر
خاک اُڑتی یہ کو بہ کو کیا ہے

جاں فشانی بھی کام کیا آتی
رہ بدلنے کی اپنی خو کیا ہے

ہر قدم پر لگی ہیں کیا شرطیں
دل کا آئینہ رُوبرو کیا ہے

کون فٹ پاتھ پر ہے آ بیٹھا
بے کسی کیا ہے ، آبرو کیا ہے

دل میں رہتے ہیں کیسے وہم و گماں
تیرا سایہ یہ خوبرو کیا ہے

کون ساقی ہے ، رند کون یہاں
جام کیا ہے یہاں ، سبو کیا ہے

کون آیا ہے دل کی چوکھٹ پر
تیرا جیسا یہ ہو بہ ہو کیا ہے

○

دل لگانے سے لوگ ڈرتے ہیں
کیسے ناداں ہیں کیا یہ کرتے ہیں

ق

ان کی موجودگی میں خاموشی
ان کے جانے پہ آہ بھرتے ہیں

جو اُبھرتے ہیں صبح کے دم پر
شام کی گود میں اُترتے ہیں

جو ہیں محرومیوں سے بے بہرہ
ان کو کیا علم کیسے مرتے ہیں

جب گزر جائیں دشت سے بادل
کیسا شکوہ کہاں بکھرتے ہیں

زہر پینا ہے مشغلہ جن کا
موت کے ڈر سے کب سدھرتے ہیں

اِک تذبذب میں کٹ گئی ہجرت
خودکلامی میں دن گزرتے ہیں

○

گریباں چاک ہو جائے تو مشکل سے ہی سلتا ہے
رفوگر کب کسی جنگل ، کسی صحرا میں ملتا ہے

مقدر ہم نہیں لکھتے کہ لکھ دیں ہر خوشی اس میں
ہمیں تو وہ نبھانا ہے کہ جو ورثہ میں ملتا ہے

شباب و حسن کی قیمت ہمارے ضبط سے پوچھو
ہر اِک موسم میں بس اِک پھول اس گلشن میں کِھلتا ہے

جو ہم بے تاب ہیں ، اس کی ہے ہم پر مہربانی یہ
وگرنہ کون سا پتا یہاں مرضی سے ہِلتا ہے

کٹھن ہے عشق کی منزل ، اسے ہم کیسے سمجھائیں
بچھا ہو فرش مخمل کا تو اس کا پاؤں چِھلتا ہے

رِشتہ

تیرے چہرہ پہ
مسکراہٹ ہے
جو مگر آنکھ تک نہیں پہنچی
لب سکڑتے ہیں
پھیل جاتے ہیں
ایسا لگتا ہے مسکراتے ہیں
پھر بھی گر غور سے انھیں دیکھو
کپکپاتے ہوئے سے، سنجیدہ
ڈرتے، سہمے ہوئے سے لگتے ہیں
جھوٹی سرخی کے پیچھے چھپ کر بھی
غم کی آزردگی نہیں مٹتی

ایسی زردی ہے تیری آنکھوں میں
جو چھپانے سے بھی نہیں چھپتی
تیرے دل سے جو خون رِستا ہے
تیری آنکھوں سے وہ نہیں بہتا
ان میں ٹھہرے ہوئے جو آنسو ہیں
تیری پلکوں سے ڈھل نہیں سکتے

کتنی خودداریوں میں ہیں زندہ
تیرے ارماں، دبی، دبی خواہش
میری مجبوریوں کا ہے حاصل
فاصلوں سے ترا،
مرا رشتہ

فیصلے

اس زندگی کی راہ میں
کتنے ہیں فیصلے
خوشیوں کے فیصلے ہیں
کبھی غم کے فیصلے
آسان فیصلے ہیں
تو دُشوار فیصلے

اب کیا کہیں کہ فیصلوں سے ہے جڑی ہوئی
ہر اِک قدم پہ روز ٹھہرتی یہ زندگی

اب فیصلوں پہ بات جو آ کر ٹھہر گئی
ان فیصلوں کی زد پہ ہی رہتی ہے بندگی

ہر غم ، ہر ایک چوٹ ، ہر درد، ہر خوشی
ہر سوچ ، ہر اصول ، ہر اِک درس ، آ گہی
بے باکیِ حیات کی ہر ایک خودسری
ناکامیِ ثبات کی بے چین خامشی

یہ فیصلہ کہ رات میں جلتے رہیں چراغ
اُمید کے ، حصول کی چاہت لیے چراغ
یہ فیصلہ کہ دن میں اُڑتی رہے خوشی
آنکھوں سے اِک خلوص کی خاطر ہو روشنی

یہ فیصلہ کہ دل میں چھپا رنج وغم رہے
سینۂ میں دفن قصۂ جور و ستم رہے

یہ فیصلہ کہ اپنی رضا برملا کہیں
دُنیا میں ہر قدم پہ اُٹھا کر یہ سر چلیں

یہ فیصلہ کہ بام پہ عزت کا ہو مقام
کٹ جائے سر پہ آن کو ملتا رہے دوام

یہ فیصلہ کہ آن پہ گردن کٹائیں ہم
عزت پہ آنچ آئے تو جانیں لٹائیں ہم
دُشمن کا تیر آئے تو سینہِ پہ کھائیں ہم
پھر بھی رہِ فراق کی شرطیں نبھائیں ہم

یہ فیصلہ کہ بھوک سے جلتا رہے بدن
سر پر جُھلستی دھوپ کی بڑھتی رہے جلن
پیاروں کی سڑتی لاش ہو بے گور، بے کفن
سر کو جھکائیں ہم، نہ ہی چھوڑیں یہ بانکپن

یہ فیصلے تمام ہمارے ہی دل کے ہیں
ان سے تعلّقات غمِ مستقل کے ہیں

ہم اس جہاں کے لوگ سہی، پھر بھی غیر ہیں
بت ہیں، پہ دربدر ہوئے، معتوبِ دیر ہیں

دل میں ہے آس لوٹ کے گھر اپنے جائیں گے
جب تک یہاں ہیں عشق کی قسمیں نبھائیں گے

اب کیا کہیں کہ فیصلے کرتے ہیں خود ہی ہم
بدلہِ میں ان کے جان پہ لیتے ہیں ہر ستم
پھر اس پہ یہ گماں کہ ہمارا نصیب ہے
قسمت کا سب ہے کھیل ، یہ دُنیا عجیب ہے

مے خانہ ہم ہیں ، ساقی و مشروب ہم ہی ہیں
اپنی صلیب گر ہے تو مصلوب ہم ہی ہیں

○

کس کی یادوں سے دل لبھاتے ہو
دل نگاروں سے غم چھپاتے ہو؟

سرِ مژگاں لہو یہ یاقوتی
دولتِ عشق ہے ، لٹاتے ہو

منزلوں کا اگر نشاں ہی نہیں
کیا ہمیں راستہ دکھاتے ہو

گھپ اندھیرا ہے ، شور موجوں کا
دُور ساحل پہ جگمگاتے ہو

بے ثمر ہے ، مگر شجر تو ہے
سایہ دیتا ہے ، بھول جاتے ہو

تم سے اُلفت اسے ہوئی ، نہ ہوئی
اِتنا کہرام کیا مچاتے ہو

باغِ جنت کے دل نشیں قصے
کیا حقیقت ہے ، کیا دکھاتے ہو

اپنے اعصاب پر کرو تکیہ
لڑکھڑاتے ہو ، ڈگمگاتے ہو

O

کیوں ہو دیارِ غیر میں مرنے کی آرزو
گر ہوں وطن کی مست ہوائیں ، وہ رنگ و بُو

زلفوں کی تیری یاد بہت آئی ، جانِ جاں
سائے شبِ فراق کے پھیلے جو چار سُو

چہرہ ترا خیال میں بنتا نہیں ، مگر
نظروں کی بے بسی ہے ستاتی کبھو ، کبھو

مجبوریوں نے پیار کے رستے بدل دیے
تیری نظر میں مَیں ہوں ، نہ میری نظر میں تو

خوشیوں کے اِنتظار میں صدیاں گزر گئیں
گردش میں گرچہِ جام ہے ، لبریز ہے سبو

رِشتوں کے اِمتزاج میں در آئیں تلخیاں
بدلوں ترا مزاج کہ چھوڑوں میں اپنی خو

نکھرے گا موسموں کے بدلنے میں بار ، بار
پل ، پل کے اِنتظار میں ٹپکے گا جو لہو

O

دل میں اِک درد ہے ، اور درد بڑھا جاتا ہے
غم کا اظہار بھلا ایسے کیا جاتا ہے

کارواں دشت کے بے باک سرابوں میں گھرا
تن ، بدن ، دھوپ کی حدت سے جلا جاتا ہے

مری نظروں میں وہ چندن سا سراپا تیرا
میرے احساس کی بانہوں میں سما جاتا ہے

تیری آنکھوں کی وہ مخمور قیامت ، توبہ
دل ہے انفاس کے برزخ میں ، مرا جاتا ہے

اشک آنکھوں میں اُمڈنے لگے بے باکی میں
دل کہ احساسِ ندامت میں گُھلا جاتا ہے

موج زن ہے یہ سمندر تو خموشی ہے کیوں
کیوں رگِ جاں میں یہ صحرا سا کُھلا جاتا ہے

رکھ ، رکھاؤ سے لبادہ کی بھلا کیا نسبت
دامنِ شوق ہے ، اشکوں سے دُھلا جاتا ہے

آج سُن لے کہ نگاہیں ہیں بیاں پر مائل
ورنہ کب راز زمانہِ سے کہا جاتا ہے

اب کہ اس رُوح کی پرواز کا وقت آ پہنچا
غم ہے لاحق ، تُو پسِ پشت رہا جاتا ہے

نوجواں شہر کی گلیوں میں بھٹکتے کیوں ہیں
ان نگینوں کو تو تاجوں میں جڑا جاتا ہے

○

جو یہ ذات پات کی بات ہے
یہ توہّمات کی بات ہے

یہ جھکی، جھکی تری کائنات
شبِ معجزات کی بات ہے

مرے راستہِ پہ ترے قدم
کوئی اِلتفات کی بات ہے؟

تو مرا ہوا، نہ ہوا یقیں
بڑی احتیاط کی بات ہے

ترے دل میں ہوتی مری جگہ
کوئی ممکنات کی بات ہے؟

یہ لوگ

کیسے یہ لوگ ہیں
کیوں ہم پہ فدا ہوتے ہیں
ہم خطاوار سہی
خود کو سزا دیتے ہیں
اپنے کاندھوں پہ اُٹھائے ہوئے کیوں پھرتے ہیں
بوجھ اتنا کہ انھیں توڑ کے رکھ دیتا ہے

کیسے یہ لوگ ہیں
ہم لاکھ ستائیں اُن کو
دل کی ہر بات چھپائیں، نہ بتائیں ان کو
پاس بیٹھیں نہ کبھی ان کے، نہ پوچھیں احوال

بن کے رہ جائیں کبھی دل کا پراگندہ وبال
لب سے وہ اُف نہیں کرتے پھر بھی
ہم سے رنجش نہیں رکھتے پھر بھی

کیسے یہ لوگ ہیں جو ہم کو جنم دیتے ہیں
اپنی تخلیق کے پھر سارے ستم سہتے ہیں
بھول جاتے ہیں کہ تخلیق پہ ان کا حق ہے
ان کے لب سے جو نکل جائے وہی تو سچ ہے
پھر وہ کیوں کرتے ہیں ہر آس ہماری پوری
اپنی ہر آرزو منوا نہیں لیتے ہم سے

کیسے یہ لوگ ہیں جو پاس اگر ہوتے ہیں
ان کی ہم قدر ہی کرتے ہیں، نہ کرتے ہیں لحاظ
اپنی دُنیا کی بہاروں میں مگن رہتے ہیں
اپنے جُھرمٹ کے ستاروں پہ نظر رکھتے ہیں
ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ جو موجود ہیں اب

یہ ہمیشہ اسی عالم میں رہیں گے زندہ
پھر وہ جب دُور، کہیں پار چلے جاتے ہیں
ہم انھیں ڈھونڈتے رہتے ہیں اِشاروں میں عبث
یاد کے خلیوں میں، کبھی خواب کے گہواروں میں
گھر کے کمروں میں، کبھی دھوپ میں، دالانوں میں
کبھی مسجد میں، کبھی شہر کے بازاروں میں
صبح دم پارک میں، یا رات گئے محفل میں
شام کی سرخی، کبھی صبح کی اذانوں میں
ہم انھیں ڈھونڈتے رہتے ہیں عبث
ڈھونڈتے رہتے ہیں عبث

کیسے یہ لوگ ہیں
موجود جہاں رہتے ہیں
وہ وہاں پیار کی اِک شمع جلا لیتے ہیں
اپنی تنویر سے محفل سی سجا لیتے ہیں
اپنے اِخلاص کا اِک قبلہ بنا لیتے ہیں

مورت

خوبصورت ہو گئے ہو
ایک مورت ہو گئے ہو
جان میں بستے ہو جیسے
اِک ضرورت ہو گئے ہو

O

ہجومِ شہر ہے ، کوچہ ، نہ اب وہ جادہ ہے
چھلکتا جام ہے ، محفل ہے ، اب نہ بادہ ہے

میں بادہ کش ہوں مگر جام توڑ آیا ہوں
بساطِ عشق پہ ساقی تو اِک پیادہ ہے

مری بھی نذر اُتاری ہے آسماں نے بہت
مری بھی خام خیالی زرا زیادہ ہے

میں زندگی کو اسی رنگ میں ہی جی لوں گا
تمہارا غم ہی مرے پیار کا لبادہ ہے

تم اب نہیں ہو مگر لوگ آتے ، جاتے ہیں
کھلا ہے دَر مرا ، آنگن مرا کُشادہ ہے

تمہاری شعلہ کلامی کو بھی ادا جانا
بیان سخت ہے ، انداز کتنا سادہ ہے

تمہارے دل میں چلی آئے پل کو یاد مری
غمِ حیات کا اب تو یہی اعادہ ہے

میں پیچھے مُڑ کے کبھی دیکھتا نہیں ، خالدؔ
مرے خیال کی ندرت مرا اِرادہ ہے

○

قدغن لگائیے ، نہ ہمیں در دکھائیے
ملنے پہ اعتراض ہے کیا ، یہ بتائیے

دُنیا کی اب طلب ہے ، نہ آشنا ہے دار کی
کچھ راستہ ہمیں سرِ زنداں سُجھائیے

شاہد ہمارے آپ ہی صدقِ جنوں کے ہیں
چاہے ثبوت دیجیے ، چاہے چھپائیے

یہ کیا کہ بات کرتے ہیں رکھ ، رکھ کے فاصلہ
کچھ تو قریب آئیے ، دل میں سمائیے

لازم ہے ہم بھی لوٹ کے گھر آئیں گے ، مگر
خود بھی تو اِنتظار کی زحمت اُٹھائیے

O

درد غم کا ثمر نہیں لگتا
اشک خوں بار گر نہیں لگتا

دل کو جینے کا کوئی شوق نہیں
مرتے رہنے سے ڈر نہیں لگتا

شام کو لوٹ کر تو آتا ہوں
گھر مگر اپنا گھر نہیں لگتا

تو بھی روٹی کی بات کرتا ، اگر
تجھ کو دولت کا پر نہیں لگتا

کچھ تو میداں میں سر کٹاتے ہیں
کچھ کے کاندھوں پہ سر نہیں لگتا

بات کرنا ہے سہل ، لیکن اب
گفتگو میں اثر نہیں لگتا

تو بھی سنتا نہیں سدا میری
تو بھی اب چارہ گر نہیں لگتا

بیت جائے شبابِ موسمِ گُل
کوئی پودا شجر نہیں لگتا

O

کھویا ہوا ہے ، شاید
کچھ مبتلا ہے ، شاید

ق

دھڑکن رُکی ہوئی ہے
دل مر گیا ہے ، شاید

بھیگا ہوا ہے دامن
آنسو گرا ہے ، شاید

گالوں کو چھو گیا ہے
دستِ صبا ہے ، شاید

لمحوں کی نرم آہٹ
وقتِ دُعا ہے، شاید

قدموں کی چاپ ہے، یا
پتا گرا ہے، شاید

خالدؔ بجھا بجھا ہے
غم میں گھرا ہے، شاید

ہونا

میرے ہونے کی بات کیا کرتے
میرے ہونے میں اور نہ ہونے میں
بس یہی فرق ہے کہ ہونے میں
اپنی مرضی سے سانس لیتے ہیں
اپنی مرضی سے بات کرتے ہیں
اپنی مرضی سے جیتے ، مرتے ہیں

اور نہ ہونے میں سانس کیا لینا
کیسا چلنا ہے دل کا ، کیا رُکنا
کیا سویرے سے شام ہو جانا
اور کیا شام سے سویرے تک

رات آنکھوں میں کاٹتے رہنا
جام بھرنا ، کبھی ٹھہر جانا
کبھی اِک سانس میں ہی پی جانا
درد ہونا تو مسکرا دینا
مسکرانے میں آنکھ بھر آنا

اس کو جینا اگر کہو ، تو کہو
کیا ہے جینا مرا ، ہے کیا مرنا

تمہاری دُنیا

ہم جو موجود نہیں ہوں گے ، تو سوچا کرنا
ہم کو یادوں کے مضافات میں ڈھونڈا کرنا
کبھی فرصت ہو تو احساس کی تنہائی میں
اُلجھے ، اُلجھے ہوئے جذبات سے پوچھا کرنا

ہم جو اسرارِ زماں جانتے تھے
حُسنِ تدبیر تمہیں دیتے تھے
خود اُٹھاتے تھے ہر اِک بارِ گراں
ذوقِ تعمیر تمہیں دیتے تھے

ہم جو روتے تھے کڑی راتوں میں
ظرف آہن کا مگر رکھتے تھے
پھول جھڑتے تھے لب و لہجہ سے
جو بھی کہتے تھے کھری کہتے تھے

اب کہ ماضی میں ہیں جا سوئے ہم
کون دیکھے گا تمہاری راہیں
کون سینۂ سے لگائے گا تمہیں
کون جاگے گا مسلسل ، راتیں

کوئی سر ہے ، جو تمہیں دیکھ کے اِتراتا ہو؟
فخر سے تن کے جو شانوں پہ اُٹھا رہتا ہو؟
وہ جو جھکتا ہو ، تو سجدہ میں پڑا رہتا ہو؟
جو تمہارے لیے دن ، رات دُعا کرتا ہو؟

اپنی دُنیا کے دریچہ میں کھڑے ہیں ہم لوگ
ہم کو دِکھتی ہے بہت صاف تمہاری دُنیا
مڑ کے پیچھے ہمیں دیکھو گے ، تو سمجھو گے تم
تم سے کرتی نہیں اِنصاف تمہاری دُنیا

○

ہم سا غمِ تقدیر کا خوگر تو کوئی لا
دل چیر کے رکھ دے وہ سکندر تو کوئی لا

گر ڈوب کے جانا ہے تو منظور ہے، لیکن
میرے لیے ایسا وہ سمندر تو کوئی لا

ہر شخص کی تقدیر کا اپنا ہی خدا ہے
بھگوان کی پوجا ہے تو مَندَر☆ تو کوئی لا

صحرا میں بھٹکنے کا اگر ظرف نہیں ہے
منزل پہ جو پہنچائے وہ رہبر تو کوئی لا

☆ مَندَر باندھا گیا ہے۔ مَندَر اور مَندِر دونوں مستعمل ہیں۔

یہ بزمِ جہاں ہے ، یہاں ساقی ہے ، سبو بھی
پینا ہے اگر جم کے تو ساغر تو کوئی لا

اِک رات کا جینا ہے تو اِک رات ہے کافی
جو ساتھ نبھاتا رہے دِلبر تو کوئی لا

کچھ دھوپ ہے ، کچھ گرد ہے ، کچھ میلی نظر ہے
گھونگھٹ میں نکالوں زرا چادر تو کوئی لا

O

رات ، دن بھر کا ثمر ہے میری
غمِ دُنیا سے مَفر ہے میری

پڑھ رہا ہوں میں کتابِ دُنیا
تیرے چہرہ پہ نظر ہے میری

کارواں ہیں مرے آگے ، پیچھے
زندگی ایک سفر ہے میری

کیسے جنگل سے تعلّق توڑوں
چھاؤں مرہونِ شجر ہے میری

دل کی گہرائی سمندر جیسی
موج ہر خونِ جگر ہے میری

میں کہاں جاؤں گا شکوہ کرنے
تیرے در تک ہی ڈگر ہے میری

کاش میں تا بہ ابد جی سکتا
موت ہی تقدیر مگر ہے میری

روشنی ہو کہ اندھیرا ، خالدؔ
میری ہر شام ، سحر ہے میری

○

جان کنی کا نام محبّت
مِل جائے تو عین سعادت

جب منزل ہے دھوپ ، سراب
رستہ کیا ہے ، کیا ہے مسافت

جتنی رات کٹی ہے ، بھاری
باقی پتھر ، آگ ، قیامت

بس دم ہی آتا ، جاتا ہے
صبح تک رہ جائے سلامت

اپنی بات کو منواتے ہیں
رکھ دیتے ہیں نام عبادت

منتشر

ایسا بکھرا ہوں
کہ موجود کہیں ہوں، کہ نہیں
ایک سایہ ہوں
ہیولہ ہوں
ہوا ہوں
کہ خیال

کون بتلائے
کہ جب حرف الگ ہوتے ہیں
اپنی معراج کی سولی پہ لٹک جاتے ہیں
پھر وہ الفاظ بھی موجود کہیں رہتے ہیں
یا کہ ماضی کے حوالوں میں بکھر جاتے ہیں

میرا یہ جسم کہاں ہے
میرے انفاس کہاں
میرا یہ ذہن کہاں ہے
میرے جذبات کہاں
جاں سنبھالوں تو مری رُوح بکھر جاتی ہے
ذہن مرکوز ہو تو سوچ اُلجھ جاتی ہے

میرے اِدراک سے اعضا کا تعلّق ہی نہیں
میرے انفاس سے دھڑکن کا نہیں ہے رشتہ
اب مَیں سوچوں تو سمجھ میری ہے ناقص، ناقص
جینا چاہوں تو نبھانے کا مجھے ظرف نہیں

کیسے یک جان کروں اپنی بکھرتی ہستی
کیسے میں جسم کو اور ذہن کو یک جا کرلوں

ضبط

نیند کانٹوں پہ آ ہی جائے گی
رُت یہ پت جھڑ کی بھا ہی جائے گی
ہم نبھاتے رہیں گے رسم و رواج
ضبط دُنیا سِکھا ہی جائے گی

○

دل میں ہے اگر چاہ تو پھر خواب تو دیکھو
بہنا ہے سمندر میں تو گرداب تو دیکھو

نظروں کو تو دیکھو ، دلِ بے تاب تو دیکھو
چہرہِ سے جھلکتا ہوا سیماب تو دیکھو

ہونٹوں پہ دمکتی ہوئی مسکان سلامت
سینۂ میں اُمڈتا ہوا سیلاب تو دیکھو

دل کھول کے رکھ دیتے مگر شرم تھی مانع
محفل میں یہ بیٹھے ہیں جو احباب تو دیکھو

انسان کی فطرت ہے کہ صحراؤں میں بھٹکے
اور باغ مہکتے ہوئے ، شاداب تو دیکھو

کہتے ہیں جو لب جھوٹ ہے، لیکن انھیں سُن کر
پھر آنکھ کے یہ گوہرِ نایاب تو دیکھو

دن میں یہ جُھلستے ہوئے سورج کا تڑپنا
راتوں میں سسکتا ہوا مہتاب تو دیکھو

○

ڈوبتی کشتیاں ، مگر یہ حباب
کارواں ، منزلیں ، مگر یہ سراب

ہم تو نکلے تھے جاوِداں ہونے
ہاں مگر زندگی ، مگر یہ عذاب

ہم کو تھی کب رفاقتوں کی طلب
دل تو آزاد تھا ، مگر یہ شباب

ان کو مبہوت دیکھتے ہیں ہم
مسکرانا ، اگر ، مگر ، یہ حجاب

ہم تو گلشن سے بس گزر جاتے
خارِ داماں بنے مگر یہ گلاب

شام تنہا تھی ، غم بھی چھوڑ گیا
ساتھ دیتی رہی مگر یہ شراب

ساری دُنیا میں آج سرگرداں
دل اسے ڈھونڈتا ہے خانہ خراب

ستم جاں پر زرا کچھ کم ہوا ہے
وہ مجھ کو دیکھ کر برہم ہوا ہے

میں دل کو لاکھ سمجھاتا ہوں ، لیکن
جنوں اب عشق کا ہم دم ہوا ہے

سحر سے دُور ہی رہتی ہیں شامیں
کہ دن کا کاٹنا جوکھم ہوا ہے

خزاں میں پھول کھل سکتے ہیں ، لیکن
یہاں دُنیا میں یہ کم ، کم ہوا ہے

وہ اِک جذبہ جو شاعر نے سجایا
کبھی نغمہ ، کبھی سرگم ہوا ہے

O

خموش ہوں مری جاناں ، مَیں کچھ کہوں ، نہ کہوں
کہ دل پہ وار ترا خامشی سے سہتا رہوں

میں ناؤ چھوڑ دُوں دریا کے تند دھاروں پر
جہاں بھی لے کے چلی جائے زندگی ، مَیں بہوں

مرا خیال تجھے بے دلی میں سینچے گا
میں تیرے سامنے موجود کہیں ہوں ، کہ نہ ہوں

بہت کٹھن ہے سفر تجھ سے دُور جانے کا
میں راستے کا ہر اِک تیر اپنے دل پہ سہوں

نہ روشنی کے لیے اب جلاؤں کوئی چراغ
میں گھپ اندھیرے میں روپوش زندگی سے رہوں

○

مرا مزاج ہمیشہ سے عامیانہ سہی
خیالِ دہر سہی ، عاشقی سہی ، نہ سہی

اثر تو ہوتا ہے دل کے عمیق خانوں پر
بیانِ عشق بناوٹ میں عارفانہ سہی

ترے خیال میں مستی کہاں سے آتی ہے
شرابِ ناب کی فطرت چلو بہانہ سہی

تو مجھ کو دیکھ تو لیتی ہے اِک نظر بھر کے
ہزار تیرے خیالات راہبانہ سہی

جنوں کا شوق ہے، صحرا سے مجھ کو ہے رغبت
جمال و ذوق کا شہروں میں آستانہ سہی

حقیقتوں کو تقابل پہ جان لیتا ہے
مزاج لاکھ محبّت میں شاعرانہ سہی

جب اپنے گھر میں لگے آگ تو الگ قانون
نظامِ شہر عدالت میں منصفانہ سہی

شکستہ دل میں ہی کھلتی ہیں کونپلیں کومل
مزاجِ عشق تخاطب میں جارحانہ سہی

دھڑکتی رہتی ہے دل میں کہیں چمن کی یاد
مرا پہاڑ کی چوٹی پہ آشیانہ سہی

وعدہ

وعدہ کسی سے پیار کا ہم نے کیا تو ہے
اس کو یقیں کا مشورہ ہم نے دیا تو ہے
کوشش کریں گے اس کو نبھائیں بھی عمر بھر
گرچہ ہمیں خیال پہ قدرت تو ہے، مگر
طرزِ عمل کی کوئی ضمانت نہیں رہی
قسمت کی زندگی پہ عنایت نہیں رہی
پھر کیسے اپنے پیار کا وعدہ نبھائیں گے
رسمِ وفا کا بار ہم کیوں کر اُٹھائیں گے
اِک جان ہے بچی، سو اسے وار دیں گے ہم
رکھ لیں گے اس کی بات، جہاں ہار دیں گے ہم

نصیب

تجھ سے ملنا مرا نصیب نہ ہو
عمر بھر تو نہ ہو قریب مرے
اپنی آنکھیں جو بند کرتا ہوں
تو اُتر آتی ہے خیالوں میں
تجھ سے کر لیتا ہوں باتیں دل کی
تجھ کو ہم راز بنا لیتا ہوں
شبِ بے نور کی ویرانی میں
تیری تصویر سجا لیتا ہوں

○

خوشی کم ، غم زیادہ بانٹتے ہیں
بھلا اوروں کا کب وہ سوچتے ہیں

نگاہیں دیکھتی ہیں کم زرا اب
یہ رستے منزلیں خود ڈھونڈتے ہیں

تعاقب میں ہمارے ہے جو سایہ
ہم اس سایہِ کے پیچھے بھاگتے ہیں

شکستہ خواب ہیں یا بدُعا ہے
یہاں آسیب رستہ کاٹتے ہیں

چلو تلخی بُھلا دیں رنجشوں کی
چلو پھر سے یہ رشتہ جوڑتے ہیں

محبّت کی نہیں ہے کوئی قیمت
بلا اُجرت ہی پتھر توڑتے ہیں

حصولِ زر نہیں ہے کامرانی
کہ پتھر سے خزانے تولتے ہیں

ہمارے دل کی دھڑکن جاوِداں ہے
کہ دھڑکن سے زمانے ناپتے ہیں

اِشاروں میں عیاں ہوتی ہے قدرت
زبانوں میں تو انساں بولتے ہیں

○

عروج کیا ہے، زوال کیا ہے
شکست کیسی، کمال کیا ہے

مقدروں کے ہیں کھیل سارے
سنانا دل کا معال کیا ہے

خلوصِ دل کی ہے زود فہمی
یہ عشق کیا ہے، جمال کیا ہے

یہ سارا عالم ہے ایک لمحہ
کہاں کا ماضی ہے، حال کیا ہے

تری نظر میں ہے بدگمانی
یقیں کے شیشہِ میں بال کیا ہے

ہمارے خوابوں میں آ بسے ہیں
گھنیری زلفیں ، یہ خال کیا ہے

وجود و ہستی ہیں اِک تسلسل
حیات کیا ، اِنتقال کیا ہے

یہ بے یقینی کے ملگجے ہیں
جواب کیا ہے ، سوال کیا ہے

○

عطیۂ چاہ رہی میری صدا
میرے کانوں نے سنا میرا گلہ

میں کہاں اور کہاں جمال ترا
آرزو ہے عبث ، عبث ہے دُعا

دو قدم چل کے مانگ لوں تجھ کو
سامنے تُو ہو ، یا ہو تیرا خدا

تیرے در تک پہنچ ہی جاؤں میں
گر نہ ملحق ہو گھر سے مے خانہ

جس کی آنکھوں میں روشنی ہی کم ہو
اس کی منزل کہاں ، کہاں رستہ

○

دل کے قابو میں اگر چاہ کا گھوڑا ہوتا
زندگی کو نہ تری راہ پہ موڑا ہوتا

میں خزانہ ہوں تو دفنا دیا ہوتا مجھ کو
بے محابہ یوں سرِ عام نہ چھوڑا ہوتا

جاں میں بستا ہوا یہ روگ سمِ قاتل ہے
کوئی رِستا ہوا ، دُکھتا ہوا پھوڑا ہوتا

تجھ کو جی بھر کے کبھی دیکھتا ، فرصت نہ ملی
ساتھ رہنا تھا ، اگر وقت نہ تھوڑا ہوتا

تجھ کو ملتی نہ خبر میری زبوں حالی کی
میں نے دامن نہ سرِ عام نچوڑا ہوتا

معاف کرنا

معاف کرنا
تمہارے دل کے
عمیق گوشوں میں
گھر بسانے کی
اپنی کوشش
میں کر چکا ہوں
مگر تمہاری
ہر ایک دھڑکن
مرے تڑپتے
گداز جذبوں
سے مختلف ہے

تمہارے دل کے
طلسم خانہِ میں
میرے نام ونشاں نہیں ہیں

میں پھر بھی کوشش
تو کر رہا ہوں
مٹا دیے ہیں
تمام نقشِ قدم پرانے
تمہاری چاہت
کی لذتوں میں
بھٹک گیا ہوں
جہاں کی زندہ
حقیقتوں کے
ثقیل لمحوں سے
کٹ گیا ہوں
ہزار ٹکڑوں میں
بٹ گیا ہوں

لہو

دھڑکن کے راز ، راز کا جیسے خبیر ہے
قطرہ ہر ایک خون کا دل کا اسیر ہے
رگ ، رگ میں دوڑتا ہے بڑی شدومد کے ساتھ
غم میں جلے تو زہر ہے ، خوشیوں میں شیر ہے

بے ثمر آرزو کروں کیسے
تیرے ہونے کا دم بھروں کیسے

زندگی سے نہیں کوئی رغبت
اب جیوں کیا ، میں اب مروں کیسے

جب قیامت کے بعد بھی ہے حیات
جینے ، مرنے سے میں ڈروں کیسے

آسماں سے اُتر کے ہوں حیراں
خاک پر پاؤں میں دھروں کیسے

سبزہ زاروں پہ اختیار نہیں
خشک صحرا ، میں اب چروں کیسے

○

ہر اِک عذاب اُٹھائیں گے ، ہر خوشی لیں گے
تُو گن کے جو بھی ہمیں دے گی ، زندگی! لیں گے

پڑے گا دشت ترے گھر کے راستہ میں اگر
ہم اس کی خاک کے رحم و کرم پہ جی لیں گے

ہم اس اُمید پہ صحرا سے لوٹ آئے ، کہ لوگ
ہمارے چاکِ گریباں کو بڑھ کے سی لیں گے

تجھے گماں کہ نبھا لیں گے غم سے ، فرقت میں
نہ تُو ملی تو یقیں مان ، موت ہی لیں گے

اگر تو زہر بھی دے گی ہمیں محبّت میں
ہم اس کو شوق سے امرت سمجھ کے پی لیں گے

○

ہل چلانا ہے ، زرا عرق بہانا ہے ہمیں
نسلِ انساں کو نیا باغ دکھانا ہے ہمیں

خواب ٹوٹے ہیں تو بکھرے ہوئے ٹکڑے لے کر
پھر نگر ایک حقیقت کا بنانا ہے ہمیں

ماں زرا گھی سا لگا دیتی تھی اِک روٹی پر
اب چراغوں میں اسی گھی کو جلانا ہے ہمیں

گر رہا ہے درِ پندارِ وطن خشت بہ خشت
اسی کھنڈر سے عمارت کو اُٹھانا ہے ہمیں

ہم کو جمہور نے سونپی ہے وطن کی مٹی
خام مٹی کو اب اکسیر بنانا ہے ہمیں

دل جلانے کی سزا شام سے ہے صبح تلک
رات ڈھلتے ہی چراغوں کو بجھانا ہے ہمیں

اِک تمنّا ہے کہ دل تھام کے رہ جائے جہاں
پردہ رازوں سے کوئی ایسا اُٹھانا ہے ہمیں

کچھ زمانہ ہمیں پابندِ جفا رکھتا ہے
کچھ رقابت کا بھی احسان اُٹھانا ہے ہمیں

○

بھولتا جاتا ہے جب بھی دل کوئی کرتا ہے بھول
کاروانِ زندگی کا بس یہی ہے اِک اصول

جانبِ منزل سزاوارِ محبّت جب چلے
ہر قدم ٹھوکر لگی اور جم گئی آنکھوں میں دھول

موسموں کا کیا ہے پل بھر میں بدل جائیں ، مگر
یوں بھی دیکھا ہے کہ ساری زندگی مہکے نہ پھول

اِک ستم یہ ہے کہ تیرے عشق میں ہم مبتلا
اور ستم بالا ستم کہ تو نہیں کرتا قبول

ہم پہ یہ الزام کہ ہم پھول برساتے نہیں
اور ان کا کیا جو راہوں میں بچھاتے ہیں ببول

خاموش

خاموش ہے
کچھ کہہ نہیں سکتا، مجذوب
بس دھڑکتا ہے روانی سے
سسکتا ہے کبھی
کبھی اِک آہ سی بھرتا ہے
کبھی روتا ہے
کبھی اِک اشک صداقت کا
اُٹھا لاتا ہے
بھیج دیتا ہے کبھی
آنکھ سے پلکوں کی طرف
جو اسے ذات کی پستی میں گرا دیتی ہیں

○

وہ بُن رہے ہیں خواب ، کچھ نئے
پانی پہ ہیں حباب ، کچھ نئے

ان کی محفل میں رونقیں ہیں الگ
دل کے ہیں اِنتخاب ، کچھ نئے

لاتعلّق سے لگ رہے ہیں وہ
بے سبب اِضطراب ، کچھ نئے

محفلیں ماند کیسے پڑ جائیں
سر اُٹھاتے ہیں انقلاب ، کچھ نئے

آج گلشن ہے ان کو یاد آیا
کھل رہے ہیں اگر گلاب ، کچھ نئے

ہم اُٹھائیں نظر تو گستاخی
اُترے آتے ہیں اب نقاب ، کچھ نئے

پہلے کوچہِ میں قمقمہ سا تھا
اب وہاں ماہتاب ، کچھ نئے

ہر قدم پر اُلجھتے رہتے ہیں
وہ ہوئے ہم رکاب ، کچھ نئے

شوخ آنکھیں سوال کرتی ہیں
وہ ہوئے بے حجاب ، کچھ نئے

ڈوب جانا انہیں نہیں آتا
کم نظر آفتاب کچھ نئے

زندگی کب تلک دکھائے گی
کارواں کو سراب کچھ نئے

جب سے خالدؔ نے دل کی ہے مانی
سہہ رہے ہیں عذاب ، کچھ نئے

○

غرورِ حسن میں مضمر جواز کل کا ہے
نشیب کل کا ہے ، شاید فراز کل کا ہے

گو جبر و جاہ و تغافل سے لوگ ڈرتے ہیں
جو پُرگداز ہے وہ سرفرز کل کا ہے

نئے چراغ ہیں ، محفل نئی ، نئی رونق
نئے ہیں لوگ ، نیا ذوق ، ساز کل کا ہے

تلے جو پاؤں کے پھیلا ہے دشتِ محرومی
اسی میں پھول کھلیں گے ، یہ راز کل کا ہے

سڑک پہ قوم کے بچوں کو غور سے دیکھو
ان ہی میں غزنوی کل کا ، ایاز کل کا ہے

ابھی ہے عمر جدائی کی درمیاں میں پڑی
سسکتی رات ہے ، دامن دراز کل کا ہے

O

اشک تیرے بھی زرا رو لوں میں
جاں ، پشیماں تو زرا ہو لوں میں

تیرے خوابوں میں بھی آؤں گا کبھی
دل کا ارماں تو زرا ہو لوں میں

تو بھی نظروں کی اُٹھائے چلمن
دل کا دروازہ زرا کھولوں میں

کچھ تو وحشت کو قرار آ جائے
تیری بانہوں میں اگر سو لوں میں

آج کی بات بھی ہو گی ، لیکن
کل کا مہماں تو زرا ہو لوں میں

سلب ہو جائے مری گویائی
گر شکایت میں زرا بولوں میں

تیری قربت کی تڑپتی حسرت
اپنے ارماں تو مگر تولوں میں

کبھی پی جاؤں زمانہِ کا نمک
زہر امرت میں کبھی گھولوں میں

○

دل کی باتیں ہیں ، جان جاؤ گے
رفتہ ، رفتہ کمال پاؤ گے

بات آنکھوں سے گرنہ کہہ پاؤ
دل کے دستور کیا نبھاؤ گے

شاد یادیں ہیں ، جب بھی آئیں گی
آنکھوں ، آنکھوں میں مسکراؤ گے

اب جو باندھے ہیں موہ کے بندھن
روز جاؤ گے ، روز آؤ گے

ڈوریاں دل کا خون پی بھی چکیں
خون کیا مجھ کو اب رُلاؤ گے

میں مناؤں گا تم کو سو ، سو بار
جب بھی رُوٹھو گے مان جاؤ گے

دس قدم اور زندگی ہے ابھی
لاکھ جوکھم ابھی اُٹھاؤ گے

کب جھٹک دو گے دل کی تاریکی
زندگی کی شمع جلاؤ گے

خواب

بہت خوب صورت
ہے یہ خواب میرا
کہ جس خواب میں ہم
چہکتے، بہکتے
محبّت کی شاخوں
پہ بیٹھے ہوئے ہیں

مگر خواب میرا
ہے بس خواب میرا
کہ خوابوں کی کوئی
حقیقت نہیں ہے

وقت

وقت مجبوریاں نہیں گنتا
جب بھی کوئی سبق سکھاتا ہے
جب بھی رستہ کوئی دکھاتا ہے
اپنی قیمت وصول کرتا ہے

○

رکھتے ہیں اگر شرط تو ہیں نیم رضا مند
کوئی ادا تو ان کو مری آئی ہے پسند

کچھ بول نہ پائے وہ زباں سے مرے آگے
آنکھوں سے نظر آتا رہا جوش سا ہر چند

وہ ساتھ رہیں میرے ، مرے سامنے بیٹھیں
بے شک نہ رہیں مرے خیالات کے پابند

دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھیں تو بہت ہے
چاہے میں رہوں ان کے تغافل سے گلہ مند

گو دسترس میں چاند ستارے رہے مری
میں جگنوؤں پہ ڈالتا پھرتا رہا کمند

○

زندگی کیا ہے؟ دھڑکن کا بس نام ہے
ورنہ سانسوں کا جینے سے کیا کام ہے

کچھ تمنائیں دل میں تھیں ، پلتی رہیں
کیوں نکلتی نہیں دل سے ، الزام ہے

چُھٹ گیا جب سے کوچہ ، تری محفلیں
دل میں دہلیز تیری ، ترا بام ہے

بس محبّت کریں اور مر جائیں ہم
زندگانی یہی تیرا انجام ہے

جو سویرا تھا غفلت میں نیند آ گئی
ہوش آیا تو یادوں کی اِک شام ہے

○

میرا محبوب ماہتابی ہے
یوں بہاروں میں اِضطرابی ہے

وہ جو نظریں چرائے ہے بیٹھا
نیتِ شوق میں خرابی ہے

عشق میں کچھ قصور ہے دل کا
کچھ نگاہوں کی بے حجابی ہے

رات سرگوشیوں میں ہے گزری
غمِ دِل کی جو ہم رِکابی ہے

ہم اسی کو جو دوست کہتے ہیں
یہ بھی دُشمن کی کامیابی ہے

روز جو اس کے در پہ ہے آتا
نہ وہ مجنوں ہے نہ شرابی ہے

O

میدانِ کارزار ہے دُنیائے رنگ و بُو
پیشانیوں پہ عرق ہے ، ہر ہاتھ پہ لہو

دل ہی ہدف رہا ہے ہر اِک تاجدار کا
باتوں سے کاٹتے ہیں ، تو شمشیر سے کبھو

کیا جرم ہے کہ تجھ کو نظر بھر کے دیکھ لیں
سرگوشیاں سی کیا ہیں ، یہ کیسی ہے گفتگو

آنکھیں کریں سوال تو چہرہ جواب دے
دیکھیں جدھر جہاں میں نظر آ رہا ہے تُو

اِک تیرے ہی جمال میں کیا خاص بات ہے
ورنہ تو ہر گلی میں ہیں کتنے ہی خوب رو

برپا ہوا جو شور تو پردے گرا دیے
لٹتی رہی گلی میں شرافت کی آبرو

سر کو چھپائے ریت میں مُدّت گزر گئی
اور وقت کر رہا ہے ہماری ہی جستجو

سالی بنے کہ ساس بنے ، ہو بہن ، کہ ماں
ہر رُوپ میں عزیز ہے ، بیٹی ہو یا بہو

دامن

چاہے اب ٹوٹ کے برسے ساون
جا! ترا چھوڑ دیا ہے دامن
اب تو آزاد ہے
جا! اپنی تمنّا جی لے
جامِ اُلفت کا
کسی اور سبو سے پی لے

ہم تری چاہ کو سینۂ سے جدا کر دیں گے
اپنی ہستی کو ترے غم پہ فدا کر دیں گے
پھر جو طوفان قیامت کا گزر جائے گا
سیلِ غم دل کے کناروں سے اُتر جائے گا

ہم شکستہ در و دیوار کو گھر کہہ لیں گے
سرد موسم ہو، کہ برسات، سبھی سہہ لیں گے
بھول جائیں گے تجھے، روشنی گل کر دیں گے
دل نہ دھڑکے گا، نہ جذبات کبھی بھڑکیں گے

ہاں، مگر پھر بھی تری یاد بہت آئے گی
جب بھی آئے گی
بہت آئے گی
تڑپائے گی

کستوری

میری دیوار پہ بیٹھی ہوئی یہ کستوری
پاس لگتی ہے مگر رکھتی ہے کتنی دوری
زندگی بھر میں اسے دیکھ کے جی تو لوں گا
دل میں اِک آس لیے جو نہ ہو شاید پوری

○

محبّت آزمانا چاہتا ہے
یہ دل اب غم بھلانا چاہتا ہے

کنارِہ تک چلا آیا ہے طوفاں
زمیں پر حق جتانا چاہتا ہے

ہماری جان پر بن آئی اور وہ
زمانے کو منانا چاہتا ہے

جو اس کی آنکھ میں خاموشیاں ہیں
وہ شاید کچھ بتانا چاہتا ہے

گری جاتی ہے ہر خرمن پہ بجلی
جہاں سارا جلانا چاہتا ہے

وہ جا کر دیکھ آئے راہِ مقتل
یہاں جو سر اُٹھانا چاہتا ہے

نجاتِ غم نہیں اُس کو ضروری
جو رو کر مسکرانا چاہتا ہے

اسے مرغوب ہے اب بے لباسی
جہاں خود میں سمانا چاہتا ہے

O

یہ شامِ زندگی ہے کہ ہے صبحِ اِرتقا
راہیں سی کُھل رہی ہیں نگاہوں میں جابجا

نادانیاں ہیں، خواب ہیں، کچھ حسرتیں بھی ہیں
یادیں یہ دل سنبھال کے رکھتا ہے بے بہا

لذت تمہارے پیار کی دل میں ہے جاگزیں
رکھتی ہے بزمِ شوق میں نظروں کو پارسا

منزل ہے ایک، دہر میں رستے ہزار ہیں
دانش سے، اعتماد سے چُننا ہے رہ نما

دُنیا نظر کے سامنے رہتی ہے منقسم
گنجینۂ خیال سے دھڑکن ہوئی جُدا

ظلمت تھی رات کی تو اُمیدِ سَحَر بھی تھی
اب نور کے سراب میں بھٹکا ہے قافلہ

ملنا ہے ہم سے آ کے، تو جیسے ہو، آ ملو
کرتے ہو اہتمام تو کرتے ہو اِنتہا

خاموشیوں کا سحر تھا تو آشتی سی تھی
آئینۂ خیال تھا پل میں چٹخ گیا

○

راحتِ جاں ، کہوں کیا
دل کے ارماں ، کہوں کیا

غم سے نالاں ، کہوں کیا
تند باراں ، کہوں کیا

سانسیں چلتی ہیں لیکن
لب پہ ہے جاں ، کہوں کیا

بات سینے میں اُلجھی
دل پشیماں ، کہوں کیا

سمتِ دُنیا نہیں ہے
حالِ دوراں ، کہوں کیا

کون جانے وہ کیا ہے
سِرِّ یزداں ، کہوں کیا

راستہ کون ڈھونڈے
زیرِ عسیاں ، کہوں کیا

لب پہ ہلکی سی تلخی
دل میں طوفاں ، کہوں کیا

دل ہے ماضی میں اُلجھا
حال ویراں ، کہوں کیا

O

زندگی کو جی لیا
اس کی اب جو ہو سزا

بھول بیٹھے جو ہُوا
اِک مگر چہرہ ترا

جاں گُنی میں مبتلا
زندگی تھی بے بہا

کل کا سورج کیا ہُوا
چھپ گیا ، کہ ڈھل گیا

چاند ، کرنیں ، بے خودی
تیری نظروں کی ضیا

سرخ رُو تھی سرکشی
شہر اِک برباد تھا

عارضی تھی شاخِ گل
پیار تھا ، آیا ، گیا

ناپ لیں گے بحر بھی
ڈوب تو کچھ لیں زرا

اِنتہا کے موڑ پر
یاد آئی اِبتدا

باغبانی شرط ہے
پھول ہے ، جب بھی کھلا

زندگی اور موت میں
ایک پل کا فاصلہ

نظمِ بے ترتیب ہے
جس کو جو بھی جا مِلا

خامشی بھی ہے زباں
یہ نیا عقدہ کھلا

یاد ہی آیا کرو
جاں کنی سے غم بھلا

سوغات

تیرا آنچل ، ترے گیسو ، ترے رُخسار
تیری سانسیں ، تری دھڑکن ، تری مہکار
تیری باہیں ، ترے کنگن ، تری جھنکار
تیری باتوں کا ترنم ، تیری گفتار

میری قسمت میں نہیں ہیں تو گلہ کیا کرنا
تو مرے ساتھ نہیں ہے تو کیا آہیں بھرنا
غم کی ترسی ہوئی راہوں سے بھلا کیا ڈرنا
گر ہے تقدیر سرابوں سے اُلجھ کر مرنا

غم نہیں تیرے تصوّر میں اگر جی لوں گا
زہر کا گھونٹ میسر ہے تو میں پی لوں گا
دل پہ قدغن ہے تو میں اپنی زباں سی لوں گا
جو بھی آئے تری سوغات ، میں وہ ہی لوں گا

سیلاب

دل میں اِک درد سا جاگا ہے، ٹھہرتا ہی نہیں
اِک تسلسل سے چمکتا ہے، بہلتا ہی نہیں
کون سی یاد چلی آئی ہے، طوفاں بن کر
کیسا سیلاب ہے، چڑھتا ہے، اُترتا ہی نہیں

O

تم تو جیسے خدا ہو گئے ہو
لاتعلّق ، جدا ہو گئے ہو

بکھرے ، بکھرے ہوئے دربدر سے
منتشر جابجا ہو گئے ہو

ڈھل گئے آنکھ سے اشک بن کر
راز تھے ، برملا ہو گئے ہو

غم گساروں میں رہتے ہو تم
شہ جہاں تھے ، گدا ہو گئے ہو

آ کے چھونے لگے ہو مجھے تم
چاندنی ہو ، ہوا ہو گئے ہو

یوں سرِ شام نکلے ہو گھر سے
عشق میں مبتلا ہو گئے ہو

مسکراتے رہو یوں ، کہ تم خود
بے کسوں کی دوا ہو گئے ہو

جاں کنی کی سی حالت میں ، خالؔد!
اَن سُنی اِلتجا ہو گئے ہو

O

کس گِل سے بنایا ہے بشر ، یہ تو بتا
کیا اس میں ملایا ہے اثر ، یہ تو بتا

اس دل کو دھڑکنے کے سوا کام نہیں ہے
کیا اس کو کھلایا ہے ثمر ، یہ تو بتا

راتوں میں رُلاتے ہیں پریشاں یہ ستارے
نکلے ہے بھلا کا ہے قمر ، یہ تو بتا

اِک آگ لیے پھرتا ہے سینہِ میں مسلسل
شعلہ نہیں اُٹھتا ہے مگر ، یہ تو بتا

کرنوں کو چُھپا لیتی ہیں پھیلی ہوئی شاخیں
کیوں چاند سے جلتا ہے شجر ، یہ تو بتا

دن کاٹ لیا صحبتِ یاراں کے سہارے
اب رات کریں کیسے بسر ، یہ تو بتا

دُنیا کو سمجھتے رہے ہم اپنا بسیرا
اب چھوڑ کے گھر جائیں کدھر ، یہ تو بتا

O

اِک سمت میں ہوں اور ہے اِک سمت میری ذات
دونوں کے درمیاں میں ہیں یہ کیسے طلسمات

خوشیوں کا ہو مقام تو ہنسنا زرا ، زرا
اور غم کی بات ، بات پہ رونا تمام رات

میں زندگی کی دوڑ میں ہارا نہیں کبھی
پھر بھی خود اپنے عشق سے کھاتا ہوں روز مات

راتوں میں چاند آ کے مجھے پوچھتا نہیں
دن میں اُٹھا کے سر پہ بٹھاتی ہے کائنات

خوشیوں کو چھوڑ ، چھوڑ کے میں غم کا ہو گیا
غم ایسا بے لحاظ کہ نکلا ہے باثبات

جب اِبتدائے وقت تھی میں سوچتا نہ تھا
تب زندگی کے سامنے کتنی تھیں ممکنات

O

وہ ہنسی دل کی رازداں ہو گی
جو زمانہ پہ مہرباں ہو گی

ہم ہی بے وفا ہوئے، سو ہوئے
دل سے یہ بے رُخی کہاں ہو گی

ہم ستاروں میں گھر بنائیں گے
بیچ آنگن کے کہکشاں ہو گی

اب کہ گلشن کو اپنا ہوش نہیں
عمرِ گل کی بسر کہاں ہو گی

با ثمر بچپنا ہمارا تھا
کس نے سوچا تھا ، وہ جواں ہو گی

دشتِ دُنیا میں کھو گئی منزل
وحشتِ دل ہی پاسباں ہو گی

کس کو معلوم زندگی کیا ہے
یہ فنا ہو کے جاوِداں ہو گی

جو دِکھاتی ہے زندگی ، وہ سراب
جو حقیقت ہے رازداں ہو گی

جیتے رہتے تو اِلتجا کرتے
اب نہیں ہیں تو کیا زباں ہو گی

کہوں؟

کہوں؟
تم ہو
تو کیسے ہو

تمہاری شکل و صورت
ہے؟
کہ بس
اِک بے کراں
طاقت کا مظہر ہو

مری مانند

دِکھتے ہو

کہ دُنیا سے

الگ ہو تم

کہوں؟

سوچوں؟

کہ بس

چپ چاپ ہی

تعمیل کرتا جاؤں مَیں

حکمت کی باتوں کی

عجب سا

اِک تخیّل

لے کے تیرا

ذہن کے پردوں پر

مر جاؤں

Markham, Canada
5 اگست 2020ء

بادل

دھوپ ڈھل جائے گی
تو آؤ گے؟
یا کہ پھر یاد سے
بہلاؤ گے؟

ہو جو بادل،
کبھی آؤ،
گھر آ کر برسو
پھر اگر چاہو گے،
چھٹ جاؤ گے

○

ایسی تلخی تری شراب میں ہے
جیسے اِک داغ ماہتاب میں ہے

یا تو آبِ رواں پہ ہے تکیہ
یا نجاتِ سفر حباب میں ہے

مَیں تعاقب میں ہر سراب کے ہوں
تیرا چہرہ ہر اِک سراب میں ہے

کاش اِتنا قوی عمل ہوتا
زور جتنا مرے خطاب میں ہے

بے سبب تو نہیں اُٹھی محفل
تار ٹوٹا کوئی رباب میں ہے

کیوں نہ پڑھتا رہوں کتابِ دل
غم ہی پینا اگر نصاب میں ہے

دل تو ڈرتا ہے پھٹ پڑے نہ کہیں
ایسی وحشت سی آفتاب میں ہے

چین پل بھر کو کیوں نہیں آتا
ہر گھڑی ، دل کہ اِک عذاب میں ہے

O

اگر حیا نہ کرو تم ، نہ جانے کیا ، کیا ہو
ہمیں جدا نہ کرو تم ، نہ جانے کیا ، کیا ہو

ہمارے دل میں سمانے کا؟ تم کو حق تو ہے
یہ حق ادا نہ کرو تم ، نہ جانے کیا ، کیا ہو

یہ بزمِ شوق ہے ، اس میں گماں بہکتا ہے
اب اِنتہا نہ کرو تم ، نہ جانے کیا ، کیا ہو

غمِ حیات سے ملتی تو ہے کلیدِ حیات
یہ اِبتدا نہ کرو تم ، نہ جانے کیا ، کیا ہو

یہ زندگی ہے ، فرشتے نہیں جہاں والے
کوئی خطا نہ کرو تم ، نہ جانے کیا کیا ہو

O

ہم نے نوخیز بہاروں میں چمن دیکھا ہے
دل میں اِک درد لیے غنچہ دہن دیکھا ہے

ہم نے دیکھا ہے کواکب کو اُبھرتے ، ڈھلتے
چاند دیکھا ہے ، ستاروں کا چلن دیکھا ہے

بند آنکھوں سے چلے جاتے ہیں سوئے منزل
ہم نے رہ دیکھی ، نہ دستورِ زمن دیکھا ہے

صبح سے آنکھ پھڑکتی ہے تری چاہت میں
رات کو خواب میں اِک سیمیں بدن دیکھا ہے

ہم سے پوچھو ، کہ تمناؤں کا حاصل ہے کیا
ہم نے راتوں میں تڑپتا ہوا من دیکھا ہے

ہم کو سمجھاؤ گے آدابِ غلامی کیا ہیں؟
ہم نے سہا ہوا مجبور وطن دیکھا ہے

ہم نے دیکھی ہے حسیں تاج کی گہما گہمی
بے زباں لاش کو بے گور و کفن دیکھا ہے

جو بھی کہنا ہے ، وضاحت سے ، زرا کھل کے کہو
طرزِ گفتار میں انہونا سخن دیکھا ہے

بے سبب تو نہیں محرومیِ اربابِ نظر
اپنے ہی حال میں ہر شخص مگن دیکھا ہے

○

خیالِ خیر و شر میں بٹ گیا ہوں
ترے آگے سے دُنیا ، ہٹ گیا ہوں

نظر اور کہکشاں کے درمیاں تھا
گھٹا تھا آسماں پہ ، چھٹ گیا ہوں

تری حسرت میں ہستی جان لی ہے
بہت بڑھنے لگا تھا ، گھٹ گیا ہوں

تری فرقت کی راتیں اور پینا
میں اپنے ہی مکاں سے کٹ گیا ہوں

تمنّا کے سرابو ، خوب بھٹکو!
مَیں اب آوارگی پہ ڈٹ گیا ہوں

میں ملبوسِ حجابِ زندگی تھا
مگر دیوانگی میں پھٹ گیا ہوں

کہاں لے آئی ہے صحرانوردی
غبارِ سرکشی میں اَٹ گیا ہوں

پکارا جا رہا ہوں دو طرف سے
میں جھٹ سے آ گیا تھا، جھٹ گیا ہوں

سیکھوں

ہر بات سے سیکھوں میں ، ہر اِک کام سے سیکھوں
آغاز سے سیکھوں ، کبھی انجام سے سیکھوں
دُنیا کے ہر اِک ظاہر و گم نام سے سیکھوں
ہر صبح سے سیکھوں ، کبھی ہر شام سے سیکھوں

تعریف سے ، توقیر سے ، اکرام سے سیکھوں
پرسش سے ، کبھی ذِلت و الزام سے سیکھوں
صادق ، کبھی باطل ، کبھی بدنام سے سیکھوں
مالک سے ، کبھی خادمِ بے دام سے سیکھوں

منزل سے ، کبھی راہ کے ہر گام سے سیکھوں
محنت سے ، کبھی عشرت و آرام سے سیکھوں

تحقیق سے ، تدریس سے ، الہام سے سیکھوں
منطق سے ، کبھی علم سے ، ابہام سے سیکھوں

ساقی سے ، صراحی سے ، کبھی جام سے سیکھوں
چلمن سے ، کبھی در سے ، کبھی بام سے سیکھوں
ہر حرف سے ، ہر لفظ سے ، ہر نام سے سیکھوں
سیکھوں میں ہر خاص سے ، ہر عام سے سیکھوں

بھنور

ایک لمحہِ میں قید رہ کر مَیں
زندگانی گزار سکتا ہوں
یہ وہ لمحہ ہے ، مسکرا کر جب
تو نے دل کا تھا ساتھ ، چھوڑ دیا

تیری یادوں کے اس بھنور میں، مَیں
غم کے دریا کے تند دھارے میں
دُور تک خامشی سے بہتا ہوا
اپنی ہستی میں ڈوب سکتا ہوں

جتنی پھیلی ہوئی ہو یہ دُنیا
جتنا وحشی ہو وقت کا دھارا
میں ترے اس بھنور کے گھیرے میں
اپنی ہستی نکھار سکتا ہوں

زندگانی گزار سکتا ہوں
ایک پل میں اُتار سکتا ہوں

○

قدیم وقت ہے ، پچھلے جنم میں بیٹھا ہوں
ترے خیال میں باغِ ارم میں بیٹھا ہوں

میں تیرا شوق ہوں ، تیرا جنون ، جدوجہد
میں تیری راہ میں ، تیرے قدم میں بیٹھا ہوں

مَیں جی رہا ہوں تری زندگی ، اے جانِ جہاں
ترے دِیار میں ، تیرے حرم میں بیٹھا ہوں

میں چل رہا ہوں زمیں پر تو خواب جیسا ہے
یہ خواب دیکھتا شاید عدم میں بیٹھا ہوں

حیات بیت گئی ، عاجزی پہ جا پہنچی
میں تیرے پیار کے جھوٹے بھرم میں بیٹھا ہوں

یہ ہونا میرا ، کہاں جا کے ، کب تلک ہو گا
تو کب بتائے گا ، تیرے کرم پہ بیٹھا ہوں

عرب کو چھوڑ کے آیا تھا اپنے گھر کے لیے
اب اپنے گھر کو بھلائے ، عجم میں بیٹھا ہوں

اُمید چھوڑ دی دل نے کرم نوازی کی
اَلم کے شوق میں ، جور و ستم پہ بیٹھا ہوں

○

میں بڑھتا جا رہا تھا کہکشاں میں
وہ سنگِ میل تھا اِک درمیاں میں

کھلے طوفاں میں وہ بھیگا کھڑا تھا
میں اپنی عسرتوں کے سایباں میں

کہاں تک ڈھونڈنے جاؤں گا اس کو
تمنّاؤں کے دشتِ بے کراں میں

فقط اِک زندگی اور دُکھ ہزاروں
تو ہو گا کیا حیاتِ جاوِداں میں

محلّہ دشت تھا ، اور گھر بیاباں
یہ کیسا گُل کِھلا میرے مکاں میں

میں آوارہ خرد کا ، اس کو مِل کر
مگن ہوتا گیا اس کے جہاں میں

میں دل کو تھام کر بیٹھا کہ شاید
مرا بھی ذِکر آئے داستاں میں

سہولت سے کہوں گا بات دل کی
کہ قدرت آ رہی ہے اب بیاں میں

○

دل کے آنگن میں پھر دِیا نہ جلا
میرا سایہ کجا ، یہ جسم کجا

غم تعلّق نہیں ، محبّت ہے
وصل تھا گر ، ہوا ، نہ ہوا

ایک مہتاب ہے پسِ دیوار
کیوں سرِ بام اب نہیں دِکھتا

شوخ رنگوں سے سج گئی محفل
تو نے رُخ سے اُٹھا لیا پردہ

جام چھلکا تو آنکھ بھر آئی
ہو گیا ہے طلب سے خواب جُدا

○

دل سرابوں سے کیا لگاؤ گے
اتنے جوکھم کہاں اُٹھاؤ گے

ہم نے گُل کر دیئے ہیں سارے چراغ
اب اندھیرا ہے، کیا چُھپاؤ گے

جھوٹ کہہ دو کہ تم کو یاد نہیں
سچ کہو گے تو دِل جلاؤ گے

کل اگر بند ہو گئی دھڑکن
کس کو رُودادِ غم سناؤ گے

غم کو جذبوں پہ اختیار نہیں
اپنی حرمت کو کیا بچاؤ گے

خواب گھوڑے

سرپٹ ، سرپٹ پاگل گھوڑے
دل میں میرے آگے ، پیچھے
ایک ہی سمت اُڑے جاتے ہیں
اِک رفتار سے سرپٹ ، سرپٹ

کالے ، گورے ، کچھ نسواری
خواب محل کے دروازہ سے
وحشی ، وحشی ، بپھرے ، بپھرے
اُمڈے آتے ہیں ، بے قابو

اس مستی کا کیا مقصد ہے
کس جانب اُڑتے جاتے ہیں
کیوں بے قابو ہیں یہ اتنے
سرپٹ کیوں دوڑے جاتے ہیں

جو ہے سب روندے جاتے ہیں
دل کے میرے پاگل گھوڑے

یاد

دل میں اِک درد سا اُٹھتا ہے، سنبھلتا ہی نہیں
اِک تسلسل سے چمکتا ہے، ٹھہرتا ہی نہیں
کون سی یاد چلی آئی ہے، طوفاں بن کر
ایک سیلاب ہے، چڑھتا ہے، اُترتا ہی نہیں

○

دشت اور کُہسار چھانے ، کوچہ و بازار بھی
پیار دیکھا دُشمنوں کا ، بے مروّت یار بھی

دیکھا تیری آنکھ میں بڑھتا جوانی کا نشہ
اپنے دل کی دھڑکنوں میں جاگتے اسرار بھی

جانِ جاں تیری محبّت میں کہاں کی دُوریاں
فرقتوں میں تیرے جلوے ہیں ، ترے انوار بھی

ہم نے دیکھی ہیں تری ناراضیوں میں اُلفتیں
برملا اِنکار دیکھا ، زیرِ لب اقرار بھی

لوگ دیکھے قربتوں میں زندگی سے بدگماں
اور پھر تنہائیوں میں عشق سے سرشار بھی

وقت دیکھا بے کسی کا ، بھوک کا ، افلاس کا
اور پھر چڑھتے ہوئے افلاک کو ادوار بھی

حسن کو دیکھا کبھی شرمندہِ بندِ قبا
اور جسموں کے کبھی لگتے ہوئے بازار بھی

ہم نے دیکھا ہے پیادوں کو کبھی پِٹتے ہوئے
جان ہاتھوں پر لیے کٹتے ہوئے سالار بھی

رونقِ دُنیا کو چھوتے آسماں دیکھا کبھی
خاک میں ملتے ہوئے ، اُجڑے ہوئے گھر بار بھی

○

چار پل کُھل کے جی لیا ہوتا
جام اُلفت کا پی لیا ہوتا

دل کا ناسور ہے کہ پکتا ہے
زخم لگتے ہی سی لیا ہوتا

اب جو منزل ملی تو سوچتا ہوں
کچھ سرابوں میں جی لیا ہوتا

تجھ سے بس اِک نظر ملی ہوتی
جام آنکھوں سے ہی لیا ہوتا

اِک قدم کا تھا فاصلہ باقی
یہ قدم آخری لیا ہوتا

لہو

رُوح سے ٹپ ، ٹپ جو ٹپکتا ہے لہو
میرے دل سے، مری آنکھوں سے پلٹ آیا ہے
میری ہستی کی ہر اِک رگ سے، ہر اِک خلیہِ سے
جیسے رِس ، رِس کے سمٹ آیا ہے

یہ لہو آنکھ سے ٹپکے گا کبھی
نہ کبھی وقت کے چہرہ پہ نظر آئے گا
ہاں مگر تند نگاہی میں کبھی چمکے گا
یا کبھی ترش زبانی میں چھلک جائے گا

کھیل

یہ زندگی کا کھیل ہے، جی بھر کے کھیلیے
خوشیاں منائیے، تو کبھی درد جھیلیے
دورِ خزاں میں کیجیے تدبیر سے نباہ
اور گُل کِھلیں تو خوش بُو کی مانند پھیلیے

○

لمحہ ، لمحہ دل پر باری
لمبی راتیں اور بیداری

کیسے ساتھ نبھا سکتے ہیں
درد ترا اور وضع دار

دل میں کب تک راز رہیں گے
جان گئی ہے دُنیا ساری

بازاروں میں بکتے ہیں اب
بھوک کی شدت اور بے کاری

مرتے دم تک ساتھ رہے ہیں
مجبوری اور یہ ناداری

سر کا اب کیا تاج بنیں گے
جھوٹی عزت ، دُنیاداری

جام اُٹھانا نام کا تیرے
تیری یادوں میں سرشاری

رسموں کے انبار لگے ہیں
بات زرا سی ، بوجھا بھاری

○

دردِ اُلفت کی بے کرانی سے
دل نکلتا نہیں جوانی سے

یاد کرنے سے غم نہیں بٹتا
گرچہ کرتے ہیں جاں فشانی سے

لوگ مطلب نکال لیتے ہیں
ہر حقیقت سے ، ہر کہانی سے

کچھ عجب لوگ ہیں ، جو جلتے ہیں
اپنے پیاروں کی کامرانی سے

نازکرتی ہے ، چھوڑ ہے جاتی
ہم کو نفرت ہے شادمانی سے

چور نظروں پہ کچھ فدا ہیں ہم
کچھ محبّت ہے بے زبانی سے

جاں گُسل ہو حیات کی تلخی
ڈر ہے آفاتِ ناگہانی سے

جھک کے چلتے ہیں آج کل ، خالدؔ
فکر و اندوہ کی گرانی سے

○

مجھ کو سجنا ہے اور سنورنا ہے
تیری دہلیز پر اُترنا ہے

اپنی ہستی بچا، بچا کے رکھی
تیرے پہلو میں اب بکھرنا ہے

بانٹ کر عمر بھر کی محرومی
اب تری چاہ میں نکھرنا ہے

یہ ہے دستورِ قلزمِ عالم
آج ڈوبو، تو کل اُبھرنا ہے

چاہیے سیدھی ہو کہ اُلٹ تعبیر
دل کو خوابوں سے اب نکلنا ہے

نظر

مرا یہ ہاتھ بہاروں میں تھام کر رکھنا
مری نظر سے مِلا کر زرا نظر رکھنا
یہ دِل اُداس ہے
تنہا ہے
بے سہارا ہے
کوئی بڑھائے اگر ہاتھ دوستی کے لیے
یہ لذتوں میں گرفتار ہو نہ جائے کہیں
ہزار راہ میں پتھر ہیں ٹھوکروں کے لیے
جنونِ دہر میں پاگل بہک نہ جائے کہیں
سمندروں کی طرح دشت ہیں نگاہوں میں
کسی سراب کی موجوں میں بہہ نہ جائے کہیں

یہ میرا ہاتھ محبّت سے تھام کر رکھنا
نظر سے میری ملائے ہوئے نظر رکھنا

کہو

آؤ

ٹک آنکھیں ملاؤ

مجھ سے کہہ دو

کیسے ہو تم

آج کل

زندگی نے

جو دیا ہے

اس سے خوش ہو کیا

کہو

اور اگر

ناراض ہو تو

آنسوؤں کے سیل کو

چپ چاپ یوں

بہنے نہ دو

کچھ تو کہو

○

مانگ کر دل میں جگہ بناؤں کیا
اتنا احسان اب اُٹھاؤں کیا

تیرے وعدوں پہ اعتبار نہیں
دل کا ایوان اب سجاؤں کیا

جو تجھے دیکھ کر بہکتے ہیں
ان سے اب دُشمنی بڑھاؤں کیا

دھڑکنیں دل کی ہو گئیں معدوم
دِل کا احوال اب سناؤں کیا

چاند ، سورج ہیں تیری محفل میں
اب میں اپنا دِیا جلاؤں کیا

تند نظریں سہوں ، پہ اُف نہ کروں
بے زبانی کا حظ اُٹھاؤں کیا

اب خزاں ہے تو جل گیا گلشن
دشت میں آشیاں بناؤں کیا

حق

میں اگر قوم کا غاصب ہوں
تو حیراں کیوں ہو

میں اگر بھوک مٹانے کے لیے
اپنی امی کی دوا کی خاطر
اپنی بیٹی کے دوپٹہ کے لیے
کچھ چُرا لوں
تو یہ حق ہے میرا

ورنہ میں
بھوک سے
افلاس سے
مر جاؤں گا

Markham, Canada
22 مارچ 2020ء

عادت

یہ گلابوں سے گفتگو کرنا
اور خوشبو کی آرزو کرنا
کیسی عادت ہے میری ، گُل شن میں
شوخ رنگوں کی جستجو کرنا

Toronto, Canada
24 جنوری 2020ء

مَیں

میں نہیں تھا
تو بس نہیں تھا
میرے ہونے کی بات چل نکلی
میرے آنے کا خوب چرچا ہوا

میرے ہونے کی رونمائی ہوئی
میرا اِک نام رکھ دیا سب نے
پھر مرا نام
میرا کام
میرا سب کچھ تھا

میرا جانا بھی پھر ضروری تھا
مَیں چلا تو گیا

مگر پھر بھی

میرا دُنیا میں نام باقی تھا

کچھ زرا اِہتمام باقی تھا

پھر مجھے لوگ ، باگ بھول گئے

گرچہ احساس پھر بھی زندہ تھا

وقت گزرا

تو یہ طمع بھی گیا

میرا احساس بھی تمام ہوا

پل کا قصہ تھا

پل کو جاری تھا

پھر حکایت سے مٹ گیا یکسر

مَیں جو کہتا ہوں

مَیں نہیں تھا کبھی

یہ بھی ہونے کا اعتراف تو ہے

اب نہیں ہوں
مگر نہیں، پھر بھی
میری موجودگی کا پاس تو ہے

میں اگر تھا
کسی زمانہ میں
وہ زمانوں کا ایک حصہ ہے
جب تلک
یہ زمان ہے باقی
دہر و کون و مکان ہیں باقی
میرے ہونے کا ذِکر باقی ہے

میرے ہونے نے
مجھ کو نام دیا
اب نہ ہونے نے ہی دوام دیا
مجھ کو عالم میں لازوال کیا

صاف کہہ دو

صاف کہہ دو
مگر خیال رہے
اِتنا کہنا
جو سن سکوں
جاناں

تم نے جتنے سوال کرنے ہیں
آ کے ملنا
ضرور کر لینا

ہاں، مگر یہ زرا خیال رہے
مجھ سے اِتنے سوال کرنا تم
جتنے میں دل پہ اپنے سہہ پاؤں
جتنے میں سن سکوں
سمجھ پاؤں
ان کا کوئی جواب دے پاؤں

مجھ سے ایسے سوال مت کرنا
جن کا تم کو جواب دے نہ سکوں
مجھ سے ایسے سوال مت کرنا
جن سے میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں
فہم و اِدراک سے گزر جاؤں

Contact the following to order additional copies:

Khalid Rauf Qureshi

11 Trafford Crescent, Markham,
Ontario, Canada, L3R 7H6.
Phone: 905 305 8365
Phone: 647 588 2972
qureshi@khalidrauf.com

Banner

Qureshi International Fund
Literary Forum

8-A University Road, University Town,
Peshawar, Pakistan
11 Trafford Cr. Markham
Ontario, L3R 7H6
Canada

ISBN 978-1990-43306-1

Name of Book

QAND E KALAM

Translation

The Syrup of Words

Subject

A book of Urdu Poetry

Poet

Khalid Rauf Qureshi
11 Trafford Crescent, Markham,
Ontario, Canada, L3R 7H6.
Phone: 905 305 8365
Phone: 647 588 2972
qureshi@khalidrauf.com

Cover Design

Sarah Khalid Qureshi

Qureshi International Fund
Literary Forum
8-A University Road, University Town,
Peshawar, Pakistan
11 Trafford Cr. Markham
Ontario, L3R 7H6
Canada

ISBN 978-1990-43306-1

The Syrup of Words

A Book of Poetry

Khalid Rauf Qureshi

Khalid Rauf Qureshi's English Books

- A Dozen Poems Series
  - Fathoms Deep — Poetry
  - I Can't Breathe — Poetry
  - Marshmallows — Poetry
  - Naughty Eyes — Poetry
  - Interstellar — Poetry
  - All Alone — Poetry
  - Hashtag — Poetry
  - Walk With Me — Poetry
  - Spring — Poetry
  - Unspoken — Poetry
  - Forever Lost — Poetry
  - I Love You — Poetry
  - Shooting Star — Poetry
  - Beyond the Curtain — Poetry
- Daddy — A Biography
- Islam — Concept and Practice
- The Qureshi Tree [Vol. 1 to 4] — Genealogy
- Birth and Beyond — Memoirs

9 781990 433061

Qand e Kalam

A BOOK OF URDU POETRY



KHALID RAUF QURESHI